تحریف قرآن

ایک باطل نظریہ

و

جمع قرآن

حصہ اول

البیان فی التفسیر القرآن سے ایک اقتباس

از

آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابوالقاسم موسوی الخوئی

ترجمہ

محمد شفا نجفی

البلاغ المبین

Marfat.com

قرآن تحریف ناپذیر معجزہ ہے

قرآن رسول کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نبوت کی حقانیت پر اللہ کی طرف سے ایک معجزہ ہے:

وَاِنَّهٗ لَكِتٰبٌ عَزِيْزٌ ۝ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ۭ تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ ۝

یہ ایک بالادست کتاب ہے، باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے، نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے لائق ستائش (رَبّ) کی نازل کردہ ہے۔ (۴۱ حمٓ سجدۃ:۴۱-۴۲)

یہ بات ممکن نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نبی کو معجزہ عنایت کرے، پھر وہ معجزہ ناتمام رہ جائے یا اس معجزے کی طرف باطل قوتوں کو اپنا ہاتھ دراز کرنے کا موقع مل جائے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ حضرت موسیٰ (ع) کے معجزات ان کے بیرونی دشمن فرعون اور داخلی دشمن سامری کی دست درازی کی زد میں آ جائیں؟ حاشا و کلا۔ (محسن علی نجفی)

نام کتابچہ: تحریف قرآن۔ ایک باطل نظریہ

حصہ اول: البیان فی التفسیر القرآن سے ایک اقتباس

مؤلف: آیۃ اللہ العظمیٰ السید ابو القاسم الموسوی الخوئیؒ

حصہ دوم: مقدمۂ قرآن کریم سے اقتباس

مؤلف: الشیخ محسن علی نجفی

تاریخ طبع: دسمبر ۲۰۰۷ / ذی الحجۃ ۱۴۲۸ھ

تعداد: ۵۰۰۰

ناشر: البلاغ المبین۔ اسلامی تحقیقاتی و اشاعتی ادارہ۔
پوسٹ بکس نمبر: ۴۶۹۔ اسلام آباد۔ پاکستان

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلہ تحریف قرآن

اس موضوع میں وارد ہونے سے قبل مناسب ہے کہ کچھ ایسے امور بیان کیے جائیں، جن کا اصل مقصد سے تعلق ہے اور مقصد کی تحقیق اور وضاحت کے لیے ان سے بے نیاز نہیں رہا جا سکتا۔

ا۔ معنی تحریف کی تعریف

لفظ تحریف متعدد معنوں میں مشترکہ طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ان میں سے بعض معنی میں قرآن میں تحریف بالاتفاق واقع ہوئی ہے اور بعض میں بالاتفاق واقع نہیں ہوئی اور کچھ کے بارے میں اختلاف ہے، اس کی وضاحت کچھ اس طرح ہے:

ا۔ کسی چیز کو اس کے اپنے اصلی مقام سے ہٹا کر کسی دوسرے مقام پر رکھنے کو تحریف کہتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِه ...[1]

یہودیوں میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کلمات کو ان کی جگہ سے بدل دیتے ہیں ....

قرآن کریم میں اس معنی میں تحریف واقع ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے کہ حقیقت قرآن کے معنی مقصود کے خلاف تفسیر کرنے کی کوشش کرنا تحریف ہے اور آپ دیکھتے ہیں کہ اہل بدعت اور فاسد مذاہب کے پیروکار ہمیشہ قرآن کی تعبیر اپنی آراء اور خواہشات کے مطابق کرکے تحریف کے مرتکب ہوئے ہیں اور اس قسم کی تحریف سے شریعت نے بھی منع فرمایا ہے اور اس قسم کے لوگوں کی مذمت کی ہے۔ چنانچہ امام

---

[1] ۴:۴۶

Marfat.com

محمد باقر علیہ السلام نے سعد الخیر کے نام اپنے ایک خط میں فرمایا:

وکان من نبذهم الکتاب أن أقاموا حروفه و حرّفوا حدوده، فهم یروونه ولا یرعونه، والجهال یعجبهم حفظهم للروایة، و العلماء یحزنهم ترکهم للرعایة ...[1]

قرآن کو پس پشت ڈالنے کا ان کا ایک طریقہ یہ تھا کہ انہوں نے حروف قرآن کو تو قائم رکھا، لیکن اس کی حدود میں تحریف کی۔ وہ قرآن کی روایت تو کرتے ہیں، لیکن اس کی رعایت نہیں کرتے۔ جہلاء اس کی روایت کے حفظ کو پسند کرتے ہیں اور علماء اس کی رعایت کے ترک سے محزون ہوتے ہیں۔

ii۔ تحریف کا دوسرا معنی یہ ہے کہ اصل قرآن تو محفوظ ہے، لیکن اس کے حروف اور حرکات میں کمی و زیادتی ہوئی ہے۔ چنانچہ ہم ثابت کر چکے ہیں کہ ساری قرائتیں متواتر نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن ان قرائتوں میں سے ایک قرأت کے مطابق ہے اور باقی قرائتیں یا زیادتی پر مشتمل ہیں یا ان میں کمی واقع ہوئی ہے۔

iii۔ تحریف کا ایک معنی یہ لیا جاتا ہے کہ ایک یا دو کلموں کی کمی یا زیادتی ہوئی ہے اور خود اصل قرآن محفوظ ہے۔

اس معنی کے اعتبار سے صدر اسلام اور صحابہ کرامؓ کے دور میں تحریف بنتی ہے اور اس ضمن میں مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہی کافی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے متعدد قرائتوں کو جلا دیا تھا اور انہوں نے اپنے والیوں کو حکم دیا تھا کہ وہ ہر اس قرآن کو جلا ڈالیں جو ان کا جمع کردہ نہیں ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ قرآن حضرت عثمانؓ کے جمع کردہ قرآن سے مختلف تھے، ورنہ انہیں جلانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ علماء نے وہ مقامات بھی اپنی تحریروں میں بیان کیے ہیں جہاں مختلف قرآنوں میں اختلاف موجود ہے۔ جیسا کہ عبد اللہ بن داؤد سجستانی نے اپنی کتاب کتاب المصاحف میں تحریر کیا ہے۔ بنابرایں اس قسم کی تحریف حضرت عثمانؓ کی طرف سے یا دوسرے قرآن لکھنے والوں کی طرف سے یقیناً واقع ہوئی تھی۔

---

[1] الوافی، آخر کتاب الصلوۃ، ۵: ۲۷۴۔

Marfat.com

ہم آگے چل کر یہ بات بھی واضح کریں گے کہ حضرت عثمانؓ نے جس قرآن کو جمع کرنے کا اہتمام کیا تھا، وہ عیناً وہی قرآن تھا جو مسلمانوں میں رائج تھا اور حضرت رسول کریمؐ کے زمانے سے دست بہ دست ان تک پہنچا تھا۔ اس لیے تحریف زیادتی و کمی کی صورت میں اگر واقع ہوئی ہے تو ان قرآنوں میں واقع ہوئی تھی جو حضرت عثمانؓ کے زمانے کے بعد ختم ہو گئے تھے اور اس وقت جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے، اس میں نہ کوئی کمی ہے اور نہ کوئی زیادتی۔

مختصر یہ کہ جو لوگ دیگر اصحاب کے مصاحف تواتر سے نہ ہونے کے قائل ہیں، جیسا کہ صحیح بھی یہی ہے تو اس معنی میں اگرچہ تحریف صدر اول میں واقع ہوئی تھی، لیکن حضرت عثمانؓ کے دور کے بعد اس قسم کی تحریف منقطع ہو گئی اور وہی قرآن ہمارے پاس باقی رہ گیا جو رسول اکرمؐ سے تواتر سے ثابت ہے۔

جو لوگ تمام قرآنوں کے متواتر ہونے کے قائل ہیں، ان کو لامحالہ [illegible] معنی میں تحریف قرآن اور قرآن کے کسی حصے کے ضائع ہونے کا قائل ہونا ہو گا۔ اس سلسلے میں طبری اور دوسرے لوگوں کی تصریح کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سات حروف میں سے چھ کو کالعدم کر دیا، جس میں قرآن نازل ہوا تھا اور قرآن کو صرف ایک حرف میں منحصر کر دیا۔

۱۷۔ قرآنی آیات اور سورتوں میں کمی و زیادتی واقع ہوئی ہو، لیکن پھر بھی رسول کریمؐ پر نازل شدہ قرآن محفوظ ہو اور رسول کریمؐ نے بھی مسلمہ طور پر ان آیات کی تلاوت فرمائی ہو۔

مثلاً بسم اللہ کے بارے میں مسلمانوں نے اتفاق کیا ہے کہ رسول اکرمؐ نے سورۂ برأت کے علاوہ تمام سورتوں سے پہلے بسم اللہ کی تلاوت فرمائی۔ لیکن اس کے باوجود علمائے اہل سنت کا اختلاف ہے کہ آیا بسم اللہ قرآن کا حصہ ہے؟

ان میں سے بعض نے یہی نظریہ اختیار کیا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا حصہ نہیں ہے، بلکہ مالکی نظریہ یہ ہے کہ نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مکروہ ہے۔ لیکن اگر نمازی اختلاف سے نکلنے کے لیے اسے پڑھے تو مکروہ نہیں ہے۔

ایک اور جماعت کا کہنا ہے کہ بسم اللہ قرآن کا حصہ ہے۔ [illegible]

Marfat.com

نزدیک مسلم ہے کہ بسم اللہ سوائے سورۂ توبہ کے باقی سورتوں کی جزء ہے اور یہ قول بعض علمائے اہل سنت نے بھی اختیار کیا ہے۔ چنانچہ اس کی تفصیل سورۂ فاتحہ کی تفسیر کے دوران بیان کی جائے گی۔ اس سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن میں (مثلاً بسم اللہ ہی کے بارے میں) کمی یا زیادتی واقع ہوئی ہے۔

v۔ تحریف کا پانچواں معنی یہ ہے کہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، اس کا بعض حصہ قرآن نہیں ہے۔

تحریف کی اس قسم کے باطل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے بلکہ اس کا باطل ہونا بدیہی و آشکار ہے۔

vi۔ کمی کے اعتبار سے تحریف ہو۔ بایں معنی کہ اس وقت جو قرآن ہمارے ہاتھ میں ہے، وہ اس سارے قرآن پر مشتمل نہ ہو جو آسمان سے نازل ہوا ہے، بلکہ اس کا بعض حصہ لوگوں کے ہاتھ سے ضائع ہو گیا ہو۔

اس معنی میں تحریف محل بحث ہے۔ بعض اس تحریف کے قائل ہیں اور بعض منکر ہیں۔

۲۔ تحریف کے بارے میں مسلمانوں کا نظریہ

مسلمانوں میں مشہور قول یہی ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی اور جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، وہ وہی مکمل قرآن ہے، جو رسول اکرمؐ پر نازل ہوا ہے۔ بہت سے علمائے اعلام نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ جیسے رئیس المحدثین شیخ صدوق محمد بن بابویہؒ ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ عقیدۂ عدم تحریف، عقائد امامیہ کا ایک حصہ ہے۔ انہی علماء میں شیخ ابوجعفر محمد بن الحسن الطّوسی ہیں، جنہوں نے اپنی تفسیر التبیان میں اس کی تصریح فرمائی ہے اور اس قول کو اپنے محترم استاد سید مرتضیٰ علم الہدیٰ سے نقل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے عدم تحریف پر علم الہدیٰ کی نہایت مضبوط دلیل بھی نقل کی ہے۔

انہی علماء میں مشہور مفسر طبرسی بھی شامل ہیں، جنہوں نے اپنی تفسیر مجمع البیان کے مقدمے میں اس کی تصریح فرمائی ہے۔

Marfat.com

میں واقع ہونے والے حالات سے اخذ کی ہے۔[1]

طبری نے مجمع البیان میں تحریف قرآن کے قول کو سنیوں کے ایک مذہب حشویہ کی طرف نسبت دی ہے۔

مؤلف: عنقریب آپ کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ نسخ تلاوت عین تحریف ہے۔ بنابرایں نسخ تلاوت کے نظریہ، جو علمائے اہل سنت میں مشہور ہے، کا لازمہ ہے کہ تحریف کا نظریہ بھی مشہور ہو۔ (یعنی جس کے نزدیک نسخ تلاوت مشہور ہے اس کے نزدیک تحریف قرآن بھی مشہور ہونا چاہیے۔)

۳۔ نسخ تلاوت

اکثر علمائے اہل سنت نے اس بات کا ذکر کیا ہے کہ بعض قرآن کی تلاوت منسوخ ہوگئی ہے اور بعض روایات میں وارد شدہ اس مفہوم: أنه كان قرآنا على عهد رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم کو انہوں نے نسخ تلاوت سمجھا ہے۔ پس ہمارے لیے مناسب ہے کہ اس قسم کی روایات کا ذکر کریں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس قسم کی روایات کو مان لینا تحریف قرآن کو ماننے کے مترادف ہے:

۱۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے منبر پر فرمایا:

خدا نے محمدؐ کو برحق مبعوث فرمایا اور آپؐ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس کتاب میں آیۂ رجم بھی تھی۔ ہم نے اس کی تلاوت کی، اس کو سمجھا اور اسے یاد کیا۔ اسی لیے جب رسولؐ نے سنگساری فرمائی، اس کے بعد ہم نے بھی سنگساری کی۔ مگر مجھے ڈر ہے کہ اس امت پر ایک ایسا وقت آئے گا جب کوئی کہنے والا یہ کہے گا کہ قسم بخدا آیۂ رجم قرآن میں نہیں ہے اور اس طرح خدا کا ایک حکم ترک ہو جائے گا اور لوگ گمراہی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ ہاں! حکم رجم، یعنی سنگساری کا حکم قرآن میں ہر اس مرد اور عورت کے لیے معین ہے جو بیوی رکھنے کے باوجود زنا کا مرتکب ہو اور جو آیہ ہم قرآن میں پڑھتے تھے وہ یہ تھی: أن لا ترغبوا عن آبائكم

---

[1] البیان القرآن ص ۲۰۱

Marfat.com

انہی علماء میں شیخ الفقہا الشیخ جعفر بھی ہیں، جنہوں نے اپنی کتاب کشف الغطاء میں قرآن پر بحث کے دوران عدم تحریف پر اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے۔

انہی علماء میں جلیل القدر علامہ شہشہانی بھی شامل ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب العروۃ الوثقیٰ میں قرآن مجید پر بحث کے دوران اسی نظریے کو اختیار کیا ہے اور اکثر مجتہدین کی طرف اس قول کی نسبت دی ہے۔

مشہور محدث مولیٰ محسن کاشانی بھی انہی علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے اپنی دونوں کتب[1] میں اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

جلیل عالم اور مجاہد شیخ محمد بلاغی بھی انہی علماء میں سے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی تفسیر آلاء الرحمن میں یہی فرمایا ہے۔

علماء کی ایک جماعت نے بھی عدم تحریف کا قول بہت سے بزرگ علماء سے نقل کیا ہے۔ جیسا کہ شیخ المشائخ شیخ مفید، شیخ بہائی، محقق قاضی نور اللہ اور اس پایہ کے دیگر علماء کرام ہیں۔

یہ کہا جا سکتا ہے کہ شیعہ علماء میں سے جس نے بھی امامت کے موضوع پر کتاب لکھی ہے اور اس سلسلے میں جو ناخوشگوار واقعات تاریخ میں پیش آئے ہیں، ان سب کا ذکر انہوں نے کیا ہے، لیکن تحریف قرآن کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ لہٰذا اگر ان کا نظریہ تحریف قرآن کا ہوتا تو وہ ضرور اس کا ذکر کرتے۔ اس لیے کہ یہ بات قرآن کو نذر آتش کرنے کے واقعہ سے کہیں زیادہ اہم اور قابل ذکر ہے۔

مختصر یہ کہ علماء محققین میں یہ امر مسلم ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔ البتہ شیعوں میں محدثین کی ایک جماعت اور کچھ علمائے اہل سنت تحریف کے قائل ہیں۔ رافعی کہتے ہیں:

> اہل کلام میں سے کچھ لوگ، جن کو سوائے ظن و تاویل اور ہر امر اور قول میں جدلی اسلوب اختیار کرنے کے، اس فن میں دسترسی حاصل نہیں تھی، کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قرآن میں سے کچھ چیزیں ساقط ہو گئی ہوں۔ یہ بات انہوں نے جمع قرآن کے سلسلے

---

[1] الوافی ۵ ۲۷۴ اور علم الیقین ص ۱۳۰۔

Marfat.com

فانه کفر بکم ان ترغبوا عن آبائکم یا وہ اس طرح تھی: ان
کفرا بکم ان ترغبوا عن آبائکم۔[1]

سیوطی لکھتے ہیں کہ ابن اشتہ نے اپنی کتاب مصاحف میں لیث بن سعد سے روایت کی ہے:

> سب سے پہلے حضرت ابو بکرؓ نے قرآن جمع کیا اور زید نے ان کے لیے لکھا اور جب حضرت عمرؓ آیہ رجم لے کر آئے تو اس نے اسے نہیں لکھا، اس لیے کہ حضرت عمرؓ اکیلے تھے۔[2]

مؤلف: آیہ رجم، جس کے بارے میں حضرت عمرؓ کا دعویٰ ہے کہ یہ قرآن کا حصہ ہے اور اسے قبول نہیں کیا گیا، اس کی چند صورتیں روایت ہوئی ہیں اور وہ یہ ہیں:

i۔ اذا زنی الشیخ والشیخة فارجموهما البتة نکالاً من الله والله عزیز حکیم۔

ii۔ الشیخ والشیخة فارجموهما البتة بما قضیا من اللذة۔

iii۔ ان الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموهما البتة۔

بہرحال موجودہ قرآن میں ایسی کوئی آیت نہیں ہے جس سے رجم کا حکم ثابت ہو جائے۔ پس اگر یہ روایت صحیح ہے تو قرآن سے یہ آیت حتماً ساقط ہوئی ہے۔

۲۔ طبرانی نے موثق سند سے حضرت عمر بن الخطابؓ سے روایت کی ہے: قرآن دس لاکھ ستائیس ہزار حروف پر مشتمل ہے۔[3]

جبکہ جو قرآن اس وقت ہمارے ہاتھ میں ہے، یہ اس مقدار کے ایک تہائی بھی نہیں ہے۔ پس بنا برایں قرآن کے دو تہائی سے زیادہ حصے ساقط ہو گئے ہیں۔

۳۔ ابن عباس نے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

> اللہ تعالیٰ نے محمدؐ کو برحق مبعوث فرمایا اور آپ پر کتاب نازل فرمائی۔ اس میں سنگساری کی آیہ بھی تھی۔ رسول اللہ نے سنگساری فرمائی۔ اس کے بعد ہم نے بھی سنگساری کی۔ پھر کہا: ہم اس آیہ

۱۔ صحیح بخاری ۸: ۲۶۔ صحیح مسلم ۵: ۱۱۶۔ ۲۔ الاتقان ۱: ۱۰۱۔ ۳۔ الاتقان ۱: ۱۲۱۔

Marfat.com

کو اس طرح پڑھتے تھے: ولا ترغبوا عن آبائکم فانه کفر بکم یا ان کفرا بکم ان ترغبوا عن آبائکم۔[1]

۴۔ نافع روایت کرتا ہے کہ ابن عمر نے کہا:

تم میں سے شاید کوئی یہ کہے کہ اس نے پورا قرآن پڑھ لیا ہے۔ اسے کیا پتہ کہ یہ پورا قرآن نہیں ہے اور اس کا ایک کثیر حصہ ضائع ہو چکا ہے۔ لہٰذا اسے یہ کہنا چاہیے کہ اس قرآن کا وہ حصہ اس نے لیا ہے جو موجود ہے۔[2]

۵۔ عروۃ بن زبیر حضرت عائشہؓ سے روایت کرتا ہے کہ انہوں نے کہا:

رسول اکرمؐ کے زمانے میں سورۂ احزاب دو سو آیات پر مشتمل ہوا کرتی تھی، لیکن جب حضرت عثمانؓ نے قرآن لکھا تو اس وقت وہی سورے رہ گئے جو اب ہمارے ہاتھ میں موجود ہیں۔[3]

۶۔ ابو یونس کی دختر حمیدہ ناقل ہے:

میرے والد جو ۸۰ سالہ تھے، حضرت عائشہؓ کے قرآن سے یہ آیہ پڑھا کرتے تھے:

ان اللّٰہ و ملائکته یصلون علی النبی یا أیها الذین آمنوا صلوا علیهو سلموا تسلیما، وعلی الذین یصلون الصفوف الأول۔

حمیدہ کہتی ہے: قرآن میں حضرت عثمانؓ کے تغیر و تبدل کرنے سے پہلے کی یہ بات ہے۔[4]

۷۔ ابو حرب بن ابی اسود اپنے والد سے نقل کرتا ہے:

ابو موسیٰ اشعری نے بصرہ کے قاریوں کی دعوت کی اور یہ تین سو افراد تھے جو کہ سب کے سب قاری تھے۔ جب یہ لوگ ابو موسیٰ کے گھر میں داخل ہوئے تو ابو موسیٰ نے ان سے کہا: دیکھو! تم بصرہ کے نیک اور قاری حضرات ہو، قرآن کی تلاوت کرو اور لمبی

---

[1] مسند احمد ۱:۴۸ [2] الاتقان ۲: ۴۰ ـ ۴۱ [3] حوالہ سابق [4] حوالہ سابق

Marfat.com

لمبی آرزوئیں نہ رکھو تا کہ تم کہیں قسی القلب نہ ہو جاؤ۔ جس طرح تم سے پہلے کے لوگ قسی القلب ہوگئے تھے۔ ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے جو طویل اور سخت لہجے کے اعتبار سے سورہ برأت کی مانند تھا، لیکن اب میں اسے بھول چکا ہوں۔ اس میں سے مجھے صرف اتنا یاد ہے: لو کان لابن آدم و ادیان من مال لابتغی وادیاً ثالثا و لا یملا جوف ابن آدم الا التراب۔ اس کے علاوہ ہم ایک اور سورۃ بھی پڑھا کرتے تھے جو مسبحات کی مانند تھی۔ اسے بھی بھول چکا ہوں اور اس میں سے مجھے صرف اتنا یاد ہے: یا أیها الذین آمنوا لم تقولون ما لا تفعلون، فتکتب شهادة فی أعناقکم فتسئلون عنها یوم القیامة۔[1]

۸۔ زر روایت کرتا ہے کہ اُبی ابن کعب نے مجھ سے کہا: تم سورۃ احزاب میں کتنی آئتیں پڑھتے ہو؟ میں نے کہا: تہتر آیات۔ اس نے کہا: ایسا نہیں ہے، بلکہ اس کی آئتیں سورۃ بقرہ جتنی یا اس سے بھی زیادہ تھیں۔[2]

۹۔ ابن ابی داؤد اور ابن انباری نے ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ ابن شہاب نے کہا:

ہم نے سنا تھا کہ بہت سارا قرآن نازل ہوا تھا، لیکن علماء و حافظ قرآن جنگ یمامہ میں قتل ہوگئے، جس کی وجہ سے قرآن کا ایک بڑا حصہ لکھا نہ جا سکا اور ضائع ہوگیا۔[3]

۱۰۔ عمرۃ نے حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا: شروع میں یہ آیہ بھی قرآن میں شامل تھی: عَشْرُ رَضَعاتٍ مَعْلُوماتٍ یُحَرِّمْنَ اور یہ آیہ اس آیہ کے ذریعے منسوخ ہوئی: خَمْسٍ مَعْلُوماتٍ. لیکن رسول اللہ (ص) کی وفات کے بعد یہ آیتیں قرآن کی دوسری آیات کے ساتھ پڑھی جاتی تھیں۔[4]

---

[1] صحیح مسلم ۳: ۱۰۰۔
[2] منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد ۲: ۴۳۔
[3] حوالہ سابق ص ۵۰۔
[4] صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۶۷

Marfat.com

۱۱۔ مسور بن مخرمہ نقل کرتا ہے:

حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف سے پوچھا: ان جاهدوا كما جاهدتم اول مرة ہمیں تو نہیں مل رہی۔ کیا یہ تمہیں بھی نہیں مل رہی؟ عبدالرحمٰن نے جواب دیا: یہ آیہ بھی دوسری آیتوں کی طرح قرآن سے ضائع کردی گئی ہے۔[1]

۱۲۔ ابوسفیان کلاعی کہتا ہے کہ مسلمة بن مخلد انصاری نے ایک دن لوگوں سے کہا:

بتاؤ! وہ کون سی دو آیتیں ہیں جو قرآن کا حصہ تو ہیں لیکن وہ قرآن میں لکھی نہیں گئیں۔ حاضرین جن میں ابوالکنود سعد بن مالك بھی تھے، میں سے کسی نے بھی جواب نہ دیا۔ ابن مسلمة نے کہا: وہ دو آیتیں یہ ہیں: ان الذين آمنوا و هاجروا و جاهدوا في سبيل الله باموالهم و انفسهم الا ابشروا انتم المفلحون و الذين اووهم و نصروهم و جادلوا عنهم القوم الذين غضب الله عليهم اولئك لا تعلم نفس ما اخفي لهم من قرة اعين جزاء بما كانوا يعملون۔[2]

مختلف اسناد سے نقل کیا گیا ہے کہ مصحف ابن عباس اور ابی بن کعب میں خلع اور حفد نامی سورتیں موجود تھیں۔ یہ دو آیتیں انہی سورتوں کی ہیں:

اللهم انا نستعينك و نستغفرك و نثني عليك ولا نكفرك و نخلع و نترك من يفجرك اللهم اياك نعبد و لك نصلي و نسجد و اليك نسعى و نحفد نرجو رحمتك و نخشى عذابك ان عذابك بالكافرين ملحق۔

ان کے علاوہ اور بھی روایات ہیں، لیکن یہاں ان سب کا تفصیل سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔[3]

یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ نسخ تلاوت کا قائل ہونا عینا تحریف کا قائل ہونا ہے۔

---

[1] الاتقان ۲: ۴۲ [2] حوالہ سابق [3] حوالہ سابق ۱: ۱۲۲۔۲۱۳

Marfat.com

وضاحت: نسخ تلاوت یا رسول کریم (ص) کے زمانے میں ہوئی ہوگی یا آپؐ کے بعد ان لوگوں کی طرف سے ہوئی ہوگی جنھوں نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

جو لوگ نسخ تلاوت کے قائل ہیں، اگر ان کی مراد یہ ہے کہ خود پیغمبر اکرمؐ سے نسخ واقع ہوا ہے تو یہ دلیل کا محتاج ہے۔ اسے ثابت کرنا پڑے گا اور تمام علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ خبر واحد کے ذریعے نسخ کتاب (قرآن) جائز نہیں ہے۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت نے کتب اصول وغیرہ[1] میں اس بات کی تصریح کی ہے، بلکہ شافعی اور اس کے اکثر پیروکار اور ایسے اکثر علماء جو ظاہر قرآن پر عمل کرتے ہیں، خبر متواتر کے ذریعے بھی نسخ کتاب (قرآن) کو جائز نہیں سمجھتے۔

ایک اور نقل کے مطابق احمد بن حنبل کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ بعض علماء ایسے ہیں جو خبر متواتر کے ذریعے نسخ کتاب کو جائز تو سمجھتے ہیں، لیکن اس کے وقوع پذیر ہونے کے قائل نہیں ہیں۔[2]

بنابرایں خبر واحد کی بنیاد پر نسخ کتاب کو رسول اسلامؐ کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ نسخ کتاب کی نسبت رسول کریمؐ کی طرف دینا ان روایات کے منافی بھی ہے، جن کے مطابق قرآن کا کچھ حصہ آپؐ کے بعد ضائع ہوگیا ہے۔

اور اگر مراد یہ ہو کہ نسخ تلاوت، رسول کریمؐ کے بعد ان لوگوں سے ہوا ہے جو برسر اقتدار تھے تو یہ عیناً تحریف ہے۔ بنابرایں یہ کہا جاسکتا ہے کہ علمائے اہل سنت کی اکثریت تحریف کی قائل ہے۔ کیونکہ ان کی اکثریت نسخ تلاوت کی قائل ہے۔ چاہے نسخ تلاوت کے ساتھ آیہ کے حکم کو بھی نسخ کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو۔

چنانچہ بعض علمائے اہل سنت میں سے ماہرین علم اصول اس مسئلہ میں تردد سے کام لیتے ہیں کہ آیا مجنب کے لیے نسخ شدہ آیات کی تلاوت یا محدث کے لیے انہیں چھونا جائز ہے؟ بعض کے نزدیک نسخ شدہ آیات کو پڑھنا اور چھونا جائز نہیں ہے۔ البتہ بعض معتزلہ کا یہ نظریہ ہے کہ نسخ تلاوت جائز نہیں ہے۔[3]

مقام تعجب ہے کہ علمائے اہل سنت کی ایک جماعت تحریف کے قول کو کسی بھی

---

[1] الموافقات لابی اسحاق الشاطبی ۳: ۶۰ - طبعة المطبعة الرحمانية بمصر۔

[2] الاحکام فی اصول الاحکام للآمدی ۳: ۲۱۷۔ [3] حوالہ سابق ص ۲۰۱-۲۰۳

Marfat.com

سنی عالم کی طرف نسبت دینے پر راضی نہیں ہے۔ حتیٰ کہ آلوسی نے صاحب مجمع البیان طبرسی کی اس بات کی تکذیب کی ہے کہ سنیوں کا ایک فرقہ حشویہ تحریف کا قائل ہے۔

آلوسی کہتا ہے:

علمائے اہل سنت میں سے کوئی بھی تحریف کا قائل نہیں ہے۔

اس سے زیادہ تعجب آلوسی کی اس بات پر ہوتا ہے کہ طبرسی تحریف کا انکار کر کے اپنے ہم مسلک دوسرے علمائے شیعہ پر عقیدۂ تحریف کا جو دھبہ لگا ہے، اس کو چھپانا چاہتا ہے۔[1] حالانکہ گزشتہ مباحث میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ شیعوں میں مشہور قول یہی ہے اور شیعہ علماء و محققین کا اتفاق ہے کہ تحریف نہیں ہوئی، بلکہ مرحوم طبرسی نے اپنی تفسیر مجمع البیان میں عدم تحریف پر سید مرتضیٰ علم الہدیٰ کے طویل کلام اور ان کی محکم دلیل کو بھی نقل فرمایا ہے۔

تحریف قرآن کی نظر میں

اس تمہیدی بحث کے بعد ہم اصل مطلب کی طرف آتے ہیں:

حق یہی ہے کہ تحریف متنازعہ فیہ معنوں میں قرآن میں بالکل واقع نہیں ہوئی۔

ذیل میں ہم عدم تحریف پر دلائل پیش کرتے ہیں:

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ○[2]

اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

یہ آیۂ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن محفوظ ہے اور کوئی بھی مجرم اس میں کسی قسم کی کمی کرنے یا اس سے کھیلنے کی جسارت نہیں کر سکا۔ البتہ جو حضرات تحریف کے قائل ہیں، انہوں نے اس آیہ کی چند تاویلیں کی ہیں:

i۔ اس آیۂ شریفہ میں ذکر سے مراد خود رسول اللہؐ کی ذات ہے اور قرآن میں ذکر، رسول کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

... قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا ○[3]

... بے شک اللہ نے تمہاری طرف ایک ذکر نازل کیا ہے۔

اور

---

[1] روح المعانی ۱: ۲۴۔ [2] حجر۱۵: ۹ [3] طلاق ۶۵: ۱۰

Marfat.com

رَسُوْلًا یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ ....[1]

ایک ایسا رسول جو تمہیں اللہ کی واضح آیات پڑھ کر سناتا ہے۔

بنابرایں مذکورہ آیات کا ترجمہ یہ ہوگا: ہم نے رسول بھیجا اور اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔

جواب: اس تاویل کا بطلان صاف ظاہر ہے۔ اس لیے کہ دونوں آیات میں ذکر سے مراد قرآن ہے، نہ کہ رسولؐ کی ذات۔ اس لیے کہ ان آیتوں میں تنزیل اور انزال کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں جو قرآن سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اگر ذکر سے مراد رسولؐ کی ذات ہوتی تو انزال کی بجائے ارسال یا ارسال کے معنی سے ملتا جلتا کوئی دوسرا لفظ استعمال ہوتا۔ اس کے علاوہ اگر دوسری آیہ (۶۵: ۱۰) میں یہ احتمال (ذکر بمعنی رسول) صحیح بھی ہو تو پہلی آیہ (۱۵: ۹) میں ذکر بمعنی رسول نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس سے پہلے یہ آیہ ہے:

وَ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ؕ[2]

اور (کافر لوگ) کہتے ہیں: اے وہ شخص جس پر ذکر نازل کیا گیا ہے، یقیناً تو مجنون ہے۔

اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہو سکتا کہ اس آیۂ شریفہ میں ذکر بمعنی قرآن ہے اور یہ اس بات کا قرینہ اور موید ہے کہ بعد والی آیہ (آیۂ حفظ) میں بھی ذکر سے مراد قرآن ہے۔

ii۔ دوسری تاویل یہ کی جاتی ہے کہ اس آیہ میں حفظ سے مراد، قرآن کا ہر قسم کے اعتراضات اور تنقیدوں سے محفوظ رہنا ہے اور قرآن کے بلند معانی اور تعلیمات باطل نہیں ہو سکتیں۔

جواب: اس تاویل کا باطل ہونا پہلے سے بھی زیادہ آشکار ہے۔ کیونکہ اگر اعتراض سے مراد یہ ہو کہ قرآن کفار کی تنقیدوں سے محفوظ ہے تو یقیناً یہ باطل ہے۔ اس لیے کہ کفار کی طرف سے قرآن پر اتنے اعتراضات ہوئے ہیں کہ جن کا شمار نہیں ہو سکتا۔

---

[1] طلاق ۶۵: ۱۱ [2] حجر ۱۵: ۶

Marfat.com

اگر اعتراض سے مراد یہ ہو کہ قرآن کی روش و اسلوب اتنا مستحکم و منفرد ہے کہ کوئی معترض اس پر صحیح و بجا اشکال نہیں کرسکتا اور کسی کے شک و تردد سے اس میں کسی قسم کا تزلزل نہیں آ سکتا تو یہ بات اپنے مقام پر صحیح ہے، لیکن یہ نزول قرآن کے بعد اس کے تحفظ سے مربوط نہیں ہے۔ جیسا کہ آیہ کا مفہوم ہے۔ کیونکہ قرآن اپنی خصوصیات کے اعتبار سے خود اپنا محافظ ہے اور اس کے لیے وہ کسی دوسرے محافظ کا محتاج نہیں ہے۔ چنانچہ آیہ کا مفہوم بھی یہی ہے کہ نزول قرآن کے بعد اس کا تحفظ اللہ کے ذمے ہے۔

iii۔ تیسری تاویل یہ کی گئی ہے کہ آیۂ کریمہ میں قرآن سے مراد، قرآن کے تمام نسخے نہیں، بلکہ فی الجملہ کوئی قرآنی نسخہ ہے۔ بنابرایں ممکن ہے آیۂ شریفہ اس قرآن کی طرف اشارہ کر رہی ہو جو حضرت ولی عصرؑ کے پاس محفوظ ہے۔

جواب: یہ احتمال تمام احتمالات سے زیادہ ناقابل توجہ ہے۔ کیونکہ اگر قرآن محفوظ ہے تو اسے جن کے لیے نازل کیا گیا ہے، یعنی عام لوگوں کے لیے محفوظ رہنا چاہیے۔ صرف امامؑ کے پاس محفوظ رہنا تو ایسا ہی ہے، جیسے لوح محفوظ میں محفوظ ہو یا ایک فرشتے کے پاس محفوظ ہو۔ یہ ایک بے ربط مطلب لگتا ہے اور یہ ایسا ہے کہ جیسے کوئی کہے میں نے آپ کو ایک تحفہ بھیجا ہے اور وہ میرے یا میرے کسی خاص آدمی کے پاس محفوظ ہے۔

یہ قول انتہائی تعجب خیز ہے کہ آیۂ کریمہ میں حفظ قرآن سے مراد کسی ایک قرآنی نسخے کی حفاظت ہے، تمام قرآنی نسخوں کی حفاظت نہیں۔ گویا کہ یہ لوگ اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ذکر سے مراد وہ قرآن ہے جو تحریر میں آ جائے یا جس کا تلفظ کیا جائے اور اس کے متعدد نسخے بنے ہوں۔ حالانکہ ذکر سے مراد یہ نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن مکتوب یا قرآن ملفوظ کو کوئی دوام حاصل نہیں ہے۔ بنابرایں آیۂ حفظ سے قرآن مکتوب مراد نہیں لیا جا سکتا۔

ذکر سے مراد وہ مطالب، معانی و مفاہیم ہیں جن کو قرآن مکتوب یا قرآن ملفوظ کے ذریعے ادا کیا جائے اور یہی وہ معانی ہیں جو رسول اللہؐ پر نازل کیے گئے ہیں اور اس کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ خالق نے اس کو مفاد پرست لوگوں کے ہاتھوں کھلونا بننے اور ضائع ہونے نہیں دیا اور عام انسانوں کی اس تک رسائی ہو سکتی ہے۔ یہ

Marfat.com

ایسا ہے، جیسا کہ ہم یہ کہیں کہ فلاں شاعر کا قصیدہ اور کلام محفوظ ہے۔ اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ یہ کلام محفوظ ہے اور ضائع نہیں ہوا۔ بایں معنی کہ اس تک بہر حال رسائی ہو سکتی ہے۔

ہاں! اس مقام پر ایک اور شبہ موجود ہے، جس کے ذریعے عدم تحریف پر آیۂ کریمہ سے استدلال کو رد کیا جاتا ہے۔ اس شبہ کا خلاصہ یہ ہے کہ فریق مخالف جو تحریف کا مدعی ہے، وہ اس (زیر بحث) آیۂ شریفہ میں بھی تحریف کا احتمال دیتا ہے، کیونکہ یہ بھی اس قرآن ہی کا حصہ ہے جس میں تحریف واقع ہوئی ہے۔ بنابرایں جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی، اس آیۂ شریفہ سے یہ استدلال نہیں کیا جا سکتا۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اس میں وہی لوگ مبتلا ہو سکتے ہیں جنہوں نے عترت پیغمبرؐ و خلافت الٰہیہ سے محروم کر دیا[1] اور ان کے اقوال و افعال پر ایمان نہیں لائے۔ ان لوگوں کے پاس اس شبہ کا کوئی حل نہیں ہے۔

لیکن جن لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ عترت پیغمبر (ص) مخلوق پر حجت خدا اور وجوب اطاعت میں قرآن کے ہم پلہ ہے، ان کے نزدیک یہ شبہ بے وزن ہے۔ کیونکہ عترت پیغمبرؐ کا موجودہ قرآن سے استدلال کرنا اور اپنے اصحاب کے استدلال پر راضی ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ موجودہ قرآن حجت و واجب العمل ہے۔ اگرچہ کوئی اس کی تحریف کا قائل ہو۔ البتہ تحریف کی صورت میں کتاب اس وقت حجت ہوگی جب عترت پیغمبرؐ اس کی تائید و تصدیق کرے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَإِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ ۝ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ۖ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ ۝[2]

... حالانکہ یہ معزز کتاب ہے۔ باطل نہ اس کے سامنے سے آ سکتا ہے اور نہ پیچھے سے، یہ حکمت والے اور لائق ستائش کی نازل کردہ ہے۔

---

[1] جی چاہتا ہے یہ عرض کروں جنہوں نے خلافت الٰہیہ کو عترت پیغمبرؐ سے محروم کر دیا۔ (مترجم)

[2] ۴۱ فصلت: ۴۱۔۴۲

Marfat.com

اس آیۂ شریفہ کا مفہوم یہ ہے کہ باطل کی تمام قسمیں قرآن مجید سے دور ہیں۔ اس لیے کہ جب کسی چیز کے اصل وجود کی نفی کی جائے تو اس کی تمام قسموں اور مصادیق کی نفی ہو جاتی ہے اور اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ تحریف باطل کی قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ لہٰذا یہ قرآن کے نزدیک بھی نہیں جا سکتی۔

اعتراض: ہماری اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ آیۂ کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کے احکام میں کسی قسم کی تناقض گوئی نہیں ہے اور اس کی کوئی خبر جھوٹی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس تاویل کی تائید میں علی بن ابراہیم قمیؒ کی روایت پیش کی جاتی ہے جو انہوں نے اپنی تفسیر میں امام باقر (ع) سے روایت کی ہے۔ امام (ع) نے فرمایا:

لا یاتیه الباطل من قبل التوراة ولا من قبل الانجیل، و الزبور، ولا من خلفه ای من بعده کتاب یبطله۔

نہ تو قرآن توریت، انجیل اور زبور کے ذریعے باطل قرار دیا جا سکتا ہے اور نہ قرآن کے بعد کوئی ایسی کتاب آ سکتی ہے جس سے قرآن باطل ہو جائے۔

اس کے علاوہ مجمع البیان کی روایت بھی بطور ثبوت پیش کی جاتی ہے جو امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے۔ آپ (ع) فرماتے ہیں:

لیس فی اخباره عما مضی باطل، ولا فی اخباره عما یکون فی المستقبل باطل۔

نہ قرآن کی گزشتہ سے متعلق خبروں میں باطل کا شائبہ ہے اور نہ مستقبل سے متعلق پیشگوئیوں میں۔

جواب: اس روایت کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ باطل صرف اسی چیز میں منحصر ہے جس کا روایت میں ذکر ہے، تاکہ آیہ شریفہ باطل کی تمام قسموں کی نفی کر سکے۔ خصوصاً جب ہم ان روایات کو دیکھتے ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ قرآن کے معانی اور مفاہیم کسی خاص زمان یا مکان سے مختص نہیں، بلکہ یہ ہر دور، ہر مکان اور ہر موقع کے لیے ہیں۔ بنا برایں آیۂ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن ہر دور میں باطل کی تمام اقسام سے منزہ ومبرّا رہا ہے۔ لہٰذا قرآن کو تحریف سے بھی پاک ہونا چاہیے جو

Marfat.com

باطل کی ایک اہم اور واضح قسم ہے۔

تحریف کے باطل (جس کی آیۂ قرآن سے نفی کرتی ہے) کے ذیل میں آنے کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ آیۂ کریمہ میں عزت کو کتاب کی صفت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور کسی بھی چیز کے عزیز ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تغیر و تبدل اور ضائع ہونے کا خطرہ نہ ہو۔

پس آیۂ کریمہ میں باطل سے صرف تناقض اور کذب مراد لینا کتاب کے عزیز ہونے سے سازگار نہیں۔ کتاب تب ہی عزیز ہوگی جب یہ ہر قسم کے باطل سے پاک و منزہ ہو۔

تحریف اور سنت

۳۔ عدم تحریف کی تیسری دلیل ثقلین (قرآن و عترت) کے بارے میں روایات ہیں۔ وہ ثقلین جن کو رسول اکرمؐ نے اپنے بعد امت میں چھوڑا اور ساتھ ساتھ یہ خبر بھی دی کہ یہ دونوں (قرآن اور عترت) ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوض کوثر پر یہ آپؐ کے پاس جمع ہوں گے اور آپؐ نے امت کو ان سے متمسک رہنے کا حکم دیا۔

اس مضمون کی روایات کثرت سے موجود ہیں جو فریقین کی مختلف اسناد سے منقول ہیں۔[1] ان روایات سے عدم تحریف پر دو پہلوؤں سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔

---

[1] ترمذی ۱۳: ۳۰۰ ۔ ۳۰۱

حدیث ثقلین کو احمد نے اپنی کتاب مسند کی جلد ۳ کے صفحہ ۱۴، ۱۷، ۲۶ اور ۵۹ پر ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے۔ دارمی نے کتاب فضائل القرآن کے جزء ۲ کے صفحہ ۴۳۱ اور احمد نے اپنی کتاب مسند کے جزء ۴ کے صفحہ ۳۶۶ اور ۳۷۱ پر زید بن ارقم سے اور جزء ۵ کے ص ۱۸۲، ۱۸۹ پر زید بن ثابت سے روایت کیا ہے۔

جلال الدین سیوطی نے جامع الصغیر میں طبرانی سے اور اس نے زید بن ثابت سے اس کی روایت کی ہے۔ جلال الدین سیوطی نے یہ حدیث نقل کر کے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ علامہ مناوی نے فیض القدیر کی جزء ۳ کے صفحہ ۱۵ پر لکھا ہے: ہیثمی کا کہنا ہے: اس حدیث کے راوی موثق ہیں نیز ابو یعلی نے اس حدیث کی ایسی سند سے روایت کی جو قابل خدشہ نہیں ہے۔ حافظ عبدالعزیز ابن الاخضر نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ اس بات کا اضافہ بھی کیا ہے کہ یہ حدیث حجۃ الوداع کے موقع پر صادر ہوئی اور وہ شخص (جیسا کہ ابن جوزی ہے) غلطی پر ہے جو اسے من گھڑت سمجھتا ہے۔ سمہودی کا کہنا ہے کہ اس حدیث کو بیس سے زیادہ صحابہ نے نقل کیا ہے۔

حاکم نے کتاب المستدرک کی جزء ۳ کے صفحہ ۱۰۹ پر زید ابن ارقم سے اس حدیث کی روایت کی ہے اور اسے صحیح قرار دیا ہے۔ ذہبی نے اس پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اگرچہ روایات کی تعبیریں مختلف ہیں، مگر سب کا مطلب ایک ہی ہے۔

Marfat.com

i۔ عقیدۂ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ خدا کی طرف سے نازل شدہ کتاب سے تمسک واجب نہ ہو۔ کیونکہ تحریف کی وجہ سے وہ کتاب تو امت کے ہاتھ سے ضائع ہو گئی، جب کہ قیام قیامت تک کتاب الٰہی سے تمسک رکھنا واجب ہے۔ بنا بر ایں عقیدۂ تحریف یقیناً باطل ہے۔

وضاحت: ان روایات کا مفہوم یہ ہے کہ عترت پیغمبرؐ اور کتاب ہمیشہ ساتھ ساتھ ہیں اور قیامت تک لوگوں میں باقی رہیں گے۔ بنا بر ایں کسی ایسے انسان کا ہونا ضروری ہے جو قرآن کے دوش بدوش رہے اور قرآن کا ہونا بھی ضروری ہے جو عترت کے دوش بدوش رہے۔ یہاں تک کہ حوض کوثر پر یہ رسول اعظمؐ کی خدمت میں حاضر ہوں اور ان دونوں سے تمسک کے نتیجے میں امت گمراہی سے محفوظ رہے، جس کی خود رسول کریمؐ نے اس حدیث میں تصریح فرمائی ہے۔

یہ بھی واضح امر ہے کہ عترتؑ سے تمسک کا مطلب یہ ہے کہ اس سے محبت کی جائے، جن کاموں کا وہ حکم دے انہیں بجا لایا جائے، جن کاموں سے منع کرے، ان سے باز رہا جائے اور اس سے رہنمائی حاصل کی جائے اور یہ ایسا امر ہے جس کے لیے خود امامؑ سے ملاقات اور بالمشافہ احکام حاصل کرنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ امامؑ کے زمان غیب سے پہلے بھی سب لوگوں کے لیے امامؑ سے ملاقات یا بالمشافہ گفتگو کرنا ممکن نہیں تھا، چہ جائیکہ زمان غیبت میں یہ کام ممکن ہو۔

یہ کہنا کہ بعض لوگوں کی امامؑ تک رسائی ضروری ہے۔ یہ ایک بے بنیاد بات اور دعویٰ بلا دلیل ہے اور اس شرط کی کوئی وجہ بھی نظر نہیں آتی۔ پس شیعہ حضرات زمان غیبت میں بھی اپنے ائمہ سے متمسک، ان سے محبت رکھتے اور ان کے فرامین کی اطاعت کرتے ہیں۔ تازہ واقعات میں ان کی احادیث کے راویوں کی طرف رجوع کرنا بھی ائمہؑ کے اوامر و فرامین میں سے ہے۔

لیکن قرآن سے تمسک اسی صورت میں ممکن ہے جب قرآن تک رسائی ہو سکے۔ لہٰذا امت میں قرآن کا ہونا لازمی امر ہے تاکہ وہ اس سے متمسک ہو سکے اور گمراہی کا شکار نہ ہو۔

ہمارے اس بیان سے اس بات کا بطلان بھی ثابت ہوتا ہے کہ قرآن امام

Marfat.com

زمان (عج) کے پاس موجود اور محفوظ ہے، کیونکہ قرآن سے تمسک کے لیے اس کا وجود کافی نہیں ہے اور جب تک یہ ہماری دسترس میں نہ ہو اس سے تمسک ناممکن ہے۔

اعتراض: اس دلیل پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ حدیث ثقلین تو صرف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن کی آیات احکام (فقہی احکام سے متعلق آیات) میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ مسلمانوں کو آیات احکام ہی سے تمسک کا حکم دیا گیا ہے۔ بنا برایں حدیث ثقلین باقی آیات میں تحریف ہونے کی نفی نہیں کرتی۔

جواب: خدا نے تمام قرآن، انسانوں کی ہدایت اور ہر لحاظ سے مکمل کمال تک رہنمائی کے لیے نازل فرمایا ہے۔ چاہے وہ آیات احکام ہوں یا دوسری آیات اور اس سے قبل ہم فضل قرآن کی بحث میں یہ چیز بیان کر چکے ہیں کہ قرآن ظاہری طور پر تو قصہ لگتا ہے، مگر باطن اور حقیقت میں یہ موعظہ اور نصیحت ہے۔ اس کے علاوہ تحریف کے قائل لوگوں کی اکثریت کا دعویٰ یہ ہے کہ تحریف، ولایت اور اسی طرح کے دوسرے موضوعات میں واقع ہوئی ہے۔ جب کہ آیت ولایت کی پیروی واطاعت کی تاکید کی گئی ہے۔

ظاہر ہے ان آیات (آیات ولایت وغیرہ) کی اطاعت اسی صورت میں واجب ہوگی، جب ان کا قرآن ہونا ثابت ہو۔

ii۔ عقیدۂ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ کتاب خدا حجت نہ رہے۔ جب کتاب خدا حجت نہ رہے گی تو اس کے ظاہری معانی پر عمل بھی نہ ہو سکے گا اور کوئی بھی تحریف کا قائل اس وقت تک موجودہ قرآن کی طرف رجوع نہیں کر سکے گا جب تک ائمہ معصومینؑ اس کی تصدیق نہ کریں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن کی طرف رجوع اور اس سے استدلال ائمہ معصومینؑ کی تائید و تصدیق پر موقوف ہے۔ حالانکہ حدیث ثقلین اور دیگر متواتر روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ایک مستقل مدرک، مرجع اور حجت ہے، بلکہ ثقلین میں سے ثقل اکبر ہے۔ اس کی حجیت ثقل اصغر (ائمہ معصومین) کی حجیت کے تابع نہیں ہے۔

عقیدہ تحریف سے کتاب خدا اس لیے حجت نہیں رہتی کہ جب تحریف کے قائل ہوں گے تو یہ احتمال باقی رہے گا کہ موجودہ قرآن کی کوئی بھی آیت جو کسی مطلب

Marfat.com

پر دلالت کرتی ہے، ہو سکتا ہے اس کے ساتھ قرآن کا کچھ اور حصہ بھی ملا ہوا تھا جو موجودہ مفہوم کے خلاف تھا، مگر تحریف کی وجہ سے وہ حصہ ضائع ہوگیا۔ جب تک یہ احتمال باقی رہے گا قرآن کے ان معانی پر عمل نہیں ہو سکے گا جو موجودہ قرآن سے سمجھے جائیں گے اور اس احتمال کی نفی اصالۃ عدم قرینہ کی وجہ سے بھی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ اس اصل کی دلیل عقلاء کی یہ سیرت ہے کہ وہ کلام سے ظاہر ہونے والے معنی پر عمل کرتے ہیں اور اس معنی کے خلاف کسی قرینہ کے احتمال کو اہمیت نہیں دیتے۔

ہم اصول کی مباحث میں ثابت کر چکے ہیں کہ عقلاء اس سیرت کو اپناتے ہیں جہاں کلام متکلم سے منفصل اور جدا کسی مستقل قرینہ کا احتمال دیا جائے۔ کلام متکلم سے متصل قرینہ کا احتمال ہو اور قرینہ کے ضائع ہونے کی وجہ بھی بیان کے موقع پر متکلم کی غفلت کا احتمال ہو یا سامع استفادہ سے غفلت برتے۔

لیکن اگر قرینہ متصلہ کا احتمال ہو اور اس سے مستفاد نہ ہونے کی وجہ متکلم یا سامع کی غفلت نہ ہو تو عقلاء اس کلام سے ظاہر ہونے والے معانی پر عمل نہیں کرتے۔

مثال کے طور پر اگر کسی انسان کو کسی ایسے شخص کا خط موصول ہوتا ہے جس کی اطاعت ضروری ہو اور اس خط میں ایک گھر خریدنے کا حکم ہے، مگر اس خط کا کچھ حصہ ضائع ہو چکا ہے اور احتمال ہے کہ خط کا ضائع شدہ حصہ اس گھر کی کچھ خصوصیات، مثلاً وسعت، قیمت اور محل وقوع پر مشتمل تھا، جس کے خریدنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس صورت میں عقلاء کبھی بھی اس احتمال کو کالعدم تصور کر کے خط کے باقی ماندہ مندرجات پر عمل نہیں کریں گے اور اس حکم کے امتثال امر کی خاطر جو گھر بھی میسر آ جائے اسے نہیں خریدیں گے اور نہ ہی ایسے شخص کو اپنے مولا کا فرمانبردار کہا جائے گا۔

شاید ہمارے محترم قارئین کو وہم ہو کہ اس بیان کے مطابق تو فقہ اور استنباط احکام شرعیہ کی بنیاد منہدم ہو جاتی ہے، کیونکہ احکام شریعہ کے اہم اور عمدہ دلائل معصومینؑ کی روایات ہیں۔

ان روایات میں بھی یہ احتمال دیا جا سکتا ہے کہ ممکن ہے کلام معصومینؑ کے ساتھ قرینہ ملا ہوا تھا جو ہم تک نہیں پہنچ سکا۔ لیکن اگر محترم قارئین معمولی سی بھی توجہ کریں تو یہ شبہ زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکے گا۔ کیونکہ روایات کے سلسلے میں کلام راوی پر اعتماد

84443

Marfat.com

کیا جاتا ہے۔ بایں معنی کہ اگر کلام میں کوئی قرینہ متصلہ ہوتا تو راوی اس کا ضرور ذکر کرتا۔ راوی کے ذکر نہ کرنے سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ قرینہ متصلہ کلام معصوم میں بھی نہ تھا۔ یہ احتمال چونکہ کالعدم ہے کہ شاید قرینہ موجود ہو یا راوی سے غفلت سرزد ہوئی ہو، اس لیے اس احتمال کو بھی کالعدم تصور کیا جائے گا کہ شاید قرینہ موجود تھا جو راوی کی غفلت کی وجہ سے رہ گیا ہے۔ اس قاعدے کی رو سے کہ جس چیز کا وجود مشکوک ہو اسے کالعدم فرض کیا جاتا ہے، قرینہ اور راوی کی غفلت دونوں احتمالوں کی نفی کی جائے گی۔

استدلال کے دوسرے پہلو کا نتیجہ یہ نکلا کہ عقیدۂ تحریف سے یہ لازم آتا ہے کہ ظواہر قرآن سے تمسک جائز نہ ہو۔

اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے اس بیان کی ضرورت نہیں کہ تحریف کی وجہ سے بعض بلا تعیین آیت کے ظاہری معنی کے درہم برہم ہونے کا اجمالی علم حاصل ہو جاتا ہے۔ یعنی اگرچہ تحریف شدہ آیت کی تعیین نہیں کی گئی، لیکن اجمالی طور پر اتنا جانتے ہیں کہ کسی نہ کسی آیہ میں تحریف ہوئی ہے جس کی وجہ سے قرآن قابل عمل نہیں [illegible]

اگر اس بیان کے ذریعے مذکورہ نتیجے تک پہنچنا چاہیں تو اس کا جواب یہ [illegible] کہ

اولاً قرآن میں تحریف واقع ہونے سے مذکورہ بالا اجمالی علم لازم نہیں [illegible]

ثانیاً یہ اجمالی علم واجب العمل نہیں ہے، کیونکہ اجمالی علم اس صورت میں واجب العمل ہوتا ہے جب جس جس چیز کے واجب ہونے کا احتمال ہے ان سب [illegible] یعنی سب واجب ہو سکتے ہیں۔

ہماری اس بحث میں ایسا نہیں ہے، اس لیے کہ ان احتمالی تحریف شدہ آیات میں سے کچھ آیات ایسی ہیں جن کا تعلق احکام سے نہیں ہے۔ اس [illegible] عملی اثر نہیں ہوا کرتا۔

بعض اوقات تحریف کے حامی حضرات یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ [illegible] وجہ سے قرآن کی حجیت ختم ہو جاتی ہے، لیکن ظواہر قرآن سے ائمہ [illegible] کی طرف سے استدلال اصحاب کی تائید سے قرآن کی حجیت بحال ہو جاتی ہے۔

یہ دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ ائمہ اپنے استدلال اور استدلال اصحاب کی تائید سے قرآن کی حجیت نہیں بنا رہے، بلکہ وہ اس لیے استدلال اور [illegible]

Marfat.com

اصحاب کی تائید کرتے تھے کہ قرآن کی حجیت پہلے سے بذات خود ثابت تھی۔

نماز میں سورتوں کی اجازت

۴۔ عدم تحریف کی چوتھی دلیل یہ ہے کہ ائمہؑ نے واجب نماز کی پہلی دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے بعد کم از کم ایک مکمل سورۃ پڑھنے کا حکم دیا ہے اور نماز آیات میں ایک مکمل سورۃ یا زیادہ کو پانچ حصوں میں تقسیم کر کے ہر رکوع سے پہلے ایک حصہ پڑھنا جائز قرار دیا ہے اور جب سے شریعت میں نماز کا اعلان کیا گیا ہے، یہ احکام ثابت اور موجود ہیں۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ائمہ نے تقیہ کے طور پر یہ احکام بیان فرمائے تھے، کیونکہ اس وقت تقیہ کا کوئی موقع نہیں تھا۔

بنابرایں جو حضرات تحریف کے قائل ہیں، وہ ایسے سورے پر اکتفا نہیں کر سکتے جس میں تحریف کا احتمال ہو، کیونکہ جس عمل کے واجب ہونے کا یقین ہو، اس کی ادائیگی کا یقین حاصل کرنا واجب ہے۔ (جس سورۃ میں بھی تحریف کا احتمال ہو اس کو پڑھ کر یہ یقین حاصل نہیں ہوتا کہ واجب ادا ہوگیا ہے، کیونکہ ممکن ہے تحریف شدہ سورۃ پڑھا گیا ہو۔)

کبھی تحریف کے قائل یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کے بعد ایک مکمل سورہ پڑھنا واجب ہی نہیں ہے، اس لیے کہ کسی بھی سورہ کو پڑھنے کے بعد انسان یہ یقین حاصل نہیں کر سکتا کہ اس نے ایک مکمل سورہ پڑھ لیا ہے۔ جب ایسا یقین حاصل کرنا ممکن نہیں ہے تو واجب بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ خدا ناممکن کام کی ذمہ داری عائد نہیں کرتا۔

یہ دعویٰ تب درست ہو گا جب قرآن کی تمام سورتوں میں تحریف کا احتمال ہو۔ لیکن اگر قرآن میں ایسی سورتیں موجود ہیں جن میں تحریف کا احتمال نہ ہو، جیسے سورہ توحید ہے، تو مکلف پر واجب ہے کہ وہ سورۃ توحید کے علاوہ کوئی اور سورۃ نہ پڑھے۔ اگرچہ ائمہؑ نے قرآن سے ہر سورہ کے پڑھنے کی اجازت دی ہے، لیکن تحریف کے قائل اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتے کہ گو تحریف کی وجہ سے ائمہؑ کی اجازت سے قبل ہر آیہ پڑھنا جائز نہیں تھا، لیکن آئمہؑ کی اجازت کے بعد کسی بھی سورہ کو پڑھا جا سکتا ہے۔

یہ نتیجہ اس لیے اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ائمہؑ کی طرف سے ہر سورہ پڑھنے کی

Marfat.com

اجازت ملنا اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔ اگر تحریف واقع ہوئی ہوتی تو اس قسم کی اجازت سے واجب نماز کا بلاوجہ فوت ہونا لازم آتا ہے اور اگر قرآن کے بعض سوروں میں تحریف کا احتمال ہوتا اور باقیوں میں نہ ہوتا تو ائمہ صرف انہیں سورتوں کو واجب قرار دیتے جن میں تحریف کا احتمال نہ ہو اور یہ تقیہ کے خلاف بھی نہ سمجھا جاتا، جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ ائمہ نے سورۃ توحید اور سورۃ قدر کو ہر نماز میں پڑھنا مستحب قرار دیا ہے۔

ائمہ کی نظر میں اس بات سے کون سی چیز مانع تھی کہ وہ سورہ توحید اور سورہ قدر ہی کی اور ایسے سورہ کو واجب قرار دے دیتے جس میں تحریف کا احتمال نہ ہو۔

مگر یہ کہ تحریف کے قائل یہ کہیں کہ پہلے قرآن سے ایک مکمل سورہ پڑھنا واجب تھا اور بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور موجودہ قرآن سے ہر سورہ کو پڑھنا جائز قرار دیا گیا۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ تحریف کے قائل حضرات اس قسم کے نسخ کے قائل ہوں گے، کیونکہ رسول اسلامؐ کے بعد یقیناً کوئی نسخ واقع نہیں ہوا۔ اگرچہ نسخ کا ممکن یا محال ہونا متنازع فیہ ہے جو ہماری اس بحث سے خارج ہے۔

خلاصۂ بحث یہ ہے کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ ائمہ نے موجودہ قرآن میں سے کوئی سا بھی سورہ پڑھنے کا حکم دیا ہے، جس میں تقیہ کا شائبہ تک نہیں ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا پیغمبر اکرمؐ کے زمانے میں بھی یہی حکم تھا کہ کوئی سا سورہ پڑھا جائے یا آپ کے زمانے میں کوئی اور حکم تھا اور یہ حکم بعد میں بنایا گیا ہے۔ دوسری صورت (یعنی رسول اکرمؐ کے زمانے میں حکم کوئی اور تھا) تو ہو ہی نہیں سکتی، کیونکہ یہ نسخ ہے جو آنحضرتؐ کے بعد یقیناً واقع نہیں ہوا، اگرچہ یہ بذات خود ممکن ہے۔ لامحالہ رسول اسلامؐ کے زمانے میں بھی یہی حکم تھا جو ائمہ اطہار نے بیان فرمایا ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن میں تحریف واقع نہیں ہوئی۔

یہ استدلال صرف نماز سے مختص نہیں ہے، بلکہ یہ ہر اس مقام پر ہو سکتا ہے جہاں ائمہ اطہار (ع) نے ایک مکمل سورہ یا آیہ کو پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

خلفاء پر تحریف کا الزام

۵۔ عدم تحریف کی پانچویں دلیل یہ ہے کہ تحریف کے قائل رسول اکرمؐ کے

Marfat.com

بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر تحریف کا الزام عائد کر سکتے ہیں یا حضرت عثمانؓ پر یا کسی اور حکمران پر یہ الزام عائد کر سکتے ہیں۔ لیکن یہ تینوں دعوے باطل ہیں۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرف سے تحریف اس لیے نہیں ہو سکتی:

i۔ تحریف جان بوجھ کر نہیں بلکہ غیر اختیاری طور پر اور مکمل قرآن تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہو گی۔ اس لیے کہ اس سے پہلے قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا یا انہوں نے عمداً تحریف کی ہو گی۔

ii۔ ایسی آیات میں تحریف ہوئی ہو گی جن کا ان کی حکومت سے کوئی تعلق نہ ہو۔

یا

iii۔ عمداً تحریف کی صورت میں تحریف شدہ آیات ان کی حکومت سے متعلق ہوں گی۔

یہ تینوں احتمالات باطل ہیں۔

i۔ مکمل قرآن تک ان کی دست رسی نہ ہونے کا احتمال بالکل بے بنیاد اور باطل ہے۔ کیونکہ پیغمبر اسلام کا قرآن حفظ کرنے اور اس کی تلاوت کرنے کا حکم دینے اور آپؐ کے زمانے میں اور آپؐ کی وفات کے بعد صحابۂ کرام کا قرآن کو حد سے زیادہ اہمیت دینے سے ہم قطعی طور پر اس نتیجے تک پہنچتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے پاس قرآن جمع شدہ یا متفرق طور پر، سینوں میں یا کاغذات میں، ضرور محفوظ ہو گا۔

وہ صحابۂ کرامؓ جنہوں نے زمانۂ جاہلیت کے اشعار اور خطبات کی حفاظت و نگہداری میں کوئی دقیقہ فرو گزاشت نہیں کیا، اس کلام پاک کی حفاظت میں کیسے کوتاہی کرتے جس کی راہ میں انہوں نے اپنی جان تک کی بازی لگا دی، وطن سے جلاوطن ہونا گوارا کیا، بیوی بچوں کی جدائی برداشت کی اور اسی قرآن کی راہ میں ان کٹھن اور طاقت فرسا مراحل سے گزرے جن سے انہوں نے تاریخ کو سرخ کر دیا۔

اس کے باوجود کوئی عاقل یہ احتمال دے سکتا ہے کہ ان حضرات نے قرآن کی حفاظت میں معمولی سی بھی غفلت اور کوتاہی کی ہو گی جس سے قرآن ضائع ہو گیا اور اس کے ثبوت کے لیے دو عادل گواہوں کی ضرورت پڑی ہو؟

Marfat.com

عقلی اور تاریخی اعتبار سے جس طرح قرآن میں اضافہ ہونا قابل قبول نہیں اسی طرح یہ احتمال بھی قابل قبول نہیں۔

اس کے علاوہ حدیث ثقلین بھی اس احتمال کے بطلان پر دلالت کرتی ہے۔ اگر آپؐ کے زمانے میں قرآن کا کچھ حصہ ضائع ہو گیا ہو تو انی تارک فیکم ثقلین کتاب اللہ و عترتی کہنا درست نہ ہوتا، کیونکہ اس صورت میں سارا نہیں، بلکہ کچھ قرآن چھوڑا جا رہا ہوتا۔

بعض روایات میں تو اس بات کی تصریح موجود ہے کہ رسول اسلامؐ کے زمانے میں ہی قرآن کی مکمل تدوین اور جمع آوری ہو چکی تھی۔ کیونکہ کسی موضوع سے متعلق متفرق یا سینوں میں محفوظ مطالب کو کتاب نہیں کہا جا سکتا اور ہم آئندہ صفحات میں یہ بحث کریں گے کہ آپؐ کے زمانے میں قرآن کی جمع آوری کی سعادت کس نے حاصل کی۔

اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں مسلمانوں نے جمع قرآن کا کوئی اہتمام نہیں کیا تھا تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کے حفظ اور تلاوت کو اتنی اہمیت دینے کے باوجود اس کی جمع آوری کو آپؐ نے اتنی اہمیت کیوں نہ دی، جس کی وجہ سے وہ ضائع نہ ہو جائے؟

کیا آپؐ اس غفلت و کوتاہی کے نتائج سے آگاہ نہ تھے؟

یا وسائل کے فقدان کی وجہ سے قرآن کی جمع آوری پر قادر نہیں تھے؟

ii۔ دوسرا یہ احتمال کہ شیخین نے عمداً ان آیات میں تحریف کی ہو، جن کا ان کی حکومت سے کوئی تعلق نہیں تھا، بذات خود بعید ہے۔ اس لیے کہ اس قسم کی تحریف سے ان کی کوئی غرض وابستہ نہیں ہو سکتی۔ عملی اعتبار سے یقیناً ان سے اس قسم کی تحریف واقع نہیں ہوئی۔

وہ اس طرح کی تحریف کر بھی کس طرح سکتے تھے، جب کہ خلافت کی بنیاد ہی سیاست اور دینی معاملات کو اہمیت دینے پر قائم تھی۔ اگر ان سے تحریف ہوئی ہے تو ان کی بیعت سے انکار کرنے والوں نے اپنے احتجاج میں اس کا ذکر کیوں نہیں کیا؟ سعد بن عبادہ اور اس کے ساتھیوں نے اعتراض کے طور پر اس کا ذکر کیوں نہیں کیا اور حضرت

Marfat.com

امیر المؤمنینؑ نے اپنے خطبہ شقشقیہ اور دیگر خطبات میں جہاں ان کی اور خامیاں بیان فرمائی ہیں، تحریف قرآن کا تذکرہ کیوں نہیں کیا؟

یہ دعویٰ بھی ناممکن اور غیر معقول ہے کہ تحریف کی وجہ سے مسلمانوں نے شیخین پر اعتراض تو کیا ہو، لیکن اس کی خبر ہم تک نہ پہنچی ہو۔

iii۔ تیسرا یہ احتمال کہ عمداً ان آیات میں تحریف کی ہو جن کا تعلق ان کی حکومت سے تھا۔ یہ تحریف بھی یقیناً واقع نہیں ہوئی۔ کیونکہ امیر المؤمنینؑ، آپؐ کی زوجہ صدیقہ طاہرہؑ اور آپؐ کے کچھ اصحابؓ نے خلافت کے سلسلے میں شیخین پر اعتراض کیا، رسول اکرمؐ سے مروی روایات کے ذریعے ان کے خلاف دلائل پیش کیے، مہاجرین و انصار کو بھی اس سلسلے میں گواہ کے طور پر پیش کرتے رہے۔ منجملہ ان روایات کے حدیث غدیر کے ذریعے بھی احتجاج کیا گیا۔

مرحوم طبرسی نے کتاب احتجاج میں حضرت ابوبکرؓ کے خلاف بارہ آدمیوں کے احتجاج کو نقل کیا ہے، جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے آنحضرتؐ کی نص صریح کو بیان کیا۔

مرحوم مجلسی نے اپنی کتاب بحار الانوار میں ایک مکمل باب کو خلافت سے متعلق امیر المؤمنینؑ کے احتجاج و دلائل سے مختص کیا ہے۔

پس اگر قرآن میں ان کی حکومت اور خلافت سے متعلق کوئی آیہ ہوتی، جس میں انہوں نے تحریف کی ہوتی تو اس کا ذکر احتجاج کے طور پر ضرور کیا جانا چاہیے تھا، بلکہ خلافت کے موضوع پر باقی دلیلوں کی نسبت ان آیات کو زیادہ اہمیت حاصل ہونی چاہیے تھی۔ خصوصاً جبکہ خلافت کا معاملہ بقول ان کے جمع قرآن سے پہلے پیش آیا تھا۔

اس کے باوجود صحابہ کرام کی طرف سے ابتدائی خلافت سے لے کر حضرت علیؑ کی خلافت تک تحریف قرآن کا ذکر نہ آنا، اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن میں تحریف نہیں ہوئی۔

باقی رہا یہ احتمال کہ حضرت عثمانؓ نے تحریف کی ہو، یہ پہلے سے بھی زیادہ بعید اور ضعیف ہے، کیونکہ:

i۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلام اتنا پھیل چکا تھا کہ حضرت عثمانؓ

Marfat.com

قرآن میں سے کچھ کم کر ہی نہیں سکتے تھے اور نہ ہی وہ کم کر سکتا تھا جس کا مقام حضرت عثمانؓ سے زیادہ بلند ہوتا۔

ii۔ اگر یہ تحریف ان آیات میں کی ہوتی جن کا خلافت سے کوئی تعلق نہیں تھا تو اس تحریف کی کوئی وجہ نہیں ہوسکتی اور ان آیات میں بھی یقیناً تحریف نہیں ہوسکتی جن کا تعلق خلافت سے ہوتا۔ اس لیے کہ اگر اس قسم کی کوئی آیہ ہوتی اور وہ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک مسلمانوں میں مشہور ہوگئی ہوتی تو خلافت ہی حضرت عثمانؓ تک نہ پہنچتی۔

iii۔ اگر تحریف قرآن کے مرتکب حضرت عثمانؓ ہوتے تو یہ قاتلین حضرت عثمانؓ کے لیے معقول عذر اور بہترین دلیل بنتی اور قاتلین کو یہ جواز پیش کرنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ حضرت عثمانؓ نے بیت المال کے سلسلے میں سیرت شیخین کی مخالفت کی ہے یا اس کے علاوہ دوسرے احتجاجوں کی ضرورت نہ ہوتی۔

iv۔ اگر حضرت عثمانؓ نے تحریف کی ہوتی تو حضرت امیر المؤمنینؑ کو چاہیے تھا کہ حضرت عثمانؓ کے بعد تحریف شدہ حصے دوبارہ قرآن میں شامل فرما دیتے، جس طرح قرآن، رسول اسلامؐ اور شیخین کے زمانے میں پڑھا جاتا تھا اور آپؑ کا یہ عمل قابل تنقید نہ ہوتا۔ اپنے ہدف تک پہنچنے میں یہ زیادہ مؤثر ہوتا اور خون حضرت عثمانؓ کے انتقام کے نام پر قیام کرنے والوں کے خلاف یہ ایک مستحکم دلیل بنتا۔ اس کے علاوہ آپؑ کا یہ عمل اس اقدام سے بھی ہم آہنگ ہوتا، جس کے ذریعے آپؑ نے حضرت عثمانؓ کی عطا کردہ جاگیریں بیت المال میں لوٹانے کا حکم دیا تھا۔ اس سلسلے میں آپؑ فرماتے ہیں:

> و اللّٰہ لو وجدته قد تزوج به النساء و ملك به الاماء لرددته فان فی العدل سعة، و من ضاق علیه العدل فالجور علیه أضیق۔[1]

---

[1] نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۱۵

Marfat.com

خدا کی قسم! اگر مجھے کہیں ایسا مال بھی نظر آئے جو عورتوں کے مہر اور کنیزوں کی خریداری پر صرف کیا جاچکا ہو تو اسے بھی واپس پلٹا دوں گا، کیونکہ عدل کے تقاضوں کو پورا کرنے میں زیادہ وسعت ہے اور جسے عدل کی صورت میں تنگی محسوس ہو، اسے ظلم کی شکل میں اور زیادہ تنگی محسوس ہوگی۔

بیت المال کے بارے میں امیر المؤمنینؑ کا مؤقف یہ ہے۔ اب اہل انصاف خود بتائیں کہ اگر قرآن میں تحریف ہوئی ہوتی تو امیر المؤمنینؑ کا موقف کیا ہوتا۔

بنابرایں امیر المؤمنینؑ کا موجودہ قرآن کی تائید کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔

جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے، آج تک کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ خلفائے ثلاثہ کے بعد قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔

البتہ بعض تحریفی حضرات کی طرف یہ بات منسوب کی گئی ہے کہ جب حجاج بن یوسف ثقفی نے بنی امیہ کی مدد شروع کی تو اس نے قرآن سے ان آیات کو حذف کرادیا جو بنی امیہ کی مذمت میں نازل ہوئی تھیں اور ان کی جگہ ایسی آیات کا اضافہ کردیا جو قرآن کا حصہ نہیں تھیں۔ اس طرح جدید قرآنی نسخے مرتب کر کے مصر، شام، مکہ، مدینہ اور کوفہ و بصرہ بھجوا دیے اور آج کا موجودہ قرآن انہی نسخوں کے مطابق ہے۔ باقی جتنے بھی قرآنی نسخے تھے وہ جمع کروا دیے گئے اور ایک نسخہ تک باقی نہ رہا۔[1]

یہ دعویٰ ہذیان اور مجذوب کی بڑ معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ حجاج جو بنی امیہ کے والیوں میں سے ایک والی تھا، اس کی کیا جرأت تھی کہ قرآن میں تحریف کرنے کی جسارت کرتا، بلکہ وہ فروع دین میں سے بھی کسی میں رد و بدل کرنے کا مرتکب نہیں ہو سکتا تھ[illegible]ایکہ وہ قرآن میں تحریف کا مرتکب ہوتا جو اساس دین اور سرچشمۂ شریعت ہے۔ [illegible]باقدرت اور مجال تھی کہ وہ سارے اسلامی ممالک میں پھیلے ہوئے قرآنوں کی طر[illegible]تجاوز دراز کرتا۔

۱۔ مناہل [illegible] ۲۵۷۔

Marfat.com

اگر اس نے اس جرم کا ارتکاب کیا تھا تو مؤرخین نے اس عظیم المیہ کا ذکر کیوں نہیں کیا اور کیوں اسے اپنی تنقید کا نشانہ نہیں بنایا؟ حالانکہ اس غیر معمولی سانحہ کا تقاضا تھا کہ یہ تاریخ میں ثبت ہو جاتا۔ جب کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نہ تو حجاج کے زمانے میں کسی مسلمان نے اسے نقل کیا ہے اور نہ اس کے دور حکومت کے بعد کسی نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تمام مسلمانوں نے حجاج کے دور حکومت کے بعد بھی اس سنگین جرم سے چشم پوشی کی ہو۔

فرض کیجیے حجاج میں یہ قدرت تھی کہ وہ قرآن کے تمام نسخوں کو اکٹھا کر لے اور تمام اسلامی ممالک میں ایک نسخہ بھی باقی نہ رہنے دے۔ لیکن کیا مسلمانوں کے سینوں اور حافظانِ قرآن کے دلوں سے بھی وہ قرآن کو خارج کر سکتا تھا؟ جب کہ اس وقت مسلمانوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ جسے خدا ہی جانتا ہے۔

اس کے علاوہ اگر قرآن میں بنی امیہ کے خلاف کوئی آیہ ہوتی تو حجاج سے پہلے معاویہ اسے قرآن سے خارج کرنے کی کوشش کرتا، جس کی قدرت و طاقت حجاج سے کئی گنا زیادہ تھی۔ اگر معاویہ اس جرم کا مرتکب ہوتا تو اصحاب امیر المومنینؑ معاویہ کے خلاف جہاں دوسرے احتجاجات اور دلائل پیش کرتے تھے، جو تاریخ، کتب حدیث اور علم کلام میں ثبت ہیں، وہاں تحریف قرآن کے مسئلے کو بھی اٹھاتے۔ حالانکہ تاریخ میں اس کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔

ہمارے گذشتہ بیانات سے یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ تحریف کا دعوی کرنے والے عقلی بدیہیات کے مخالف اور منکر ہیں۔ ایک ضرب المثل مشہور ہے: حدث الرجل بما لا یلیق فان صدق فھو لیس بعاقل۔ کسی آدمی سے غیر معقول بات کریں، اگر وہ اس کی تصدیق کرے تو سمجھ لیں کہ وہ عقلمند نہیں ہے۔

قائلین تحریف کے شبہات

تحریف کے قائل جن شبہات اور غلط فہمیوں کا سہارا لیتے ہیں، ان کا بھی ذکر کرنا اور جواب دینا ضروری ہے:

پہلا شبہ: تورات اور انجیل میں یقیناً تحریف ہوئی ہے اور شیعہ وسنی روایات متواترہ سے ثابت ہے کہ گزشتہ اقوام میں جو واقعات رونما ہوئے ہیں، اس امت میں

Marfat.com

بھی ضرور واقع ہوں گے۔ چنانچہ شیخ صدوق اپنی کتاب اکمال الدین میں فرماتے ہیں: غیاث بن ابراہیم نے امام صادق (ع) سے اور آپؑ نے اپنے آباؤ اجداد سے نقل فرمایا ہے:

قال رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم كل ما كان فى الأمم السالفة، فانه يكون فى هذه الامة مثله حذو النعل بالنعل، و القذة بالقذة۔[1]

پیغمبر اکرمؐ نے فرمایا: جو کچھ گذشتہ اُمتوں میں واقع ہوا ہے، بعینہ مو بہ مو اس امت میں بھی واقع ہو گا۔

اس حدیث کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن میں تحریف ضرور واقع ہوئی ہو گی، ورنہ اس حدیث کا معنی صحیح نہ ہو گا۔

جواب: i۔ ایسی روایات، جن کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، سب کی سب خبر واحد ہیں جو باعث علم و عمل نہیں ہوسکتیں۔ ان کے متواتر ہونے کا دعویٰ بلا دلیل ہے اور کتب اربعہ (اصول کافی، تہذیب، من لا یحضرہ الفقیہ اور استبصار) میں ان کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تورات میں تحریف ہونے اور قرآن میں تحریف ہونے میں کوئی ملازمہ نہیں ہے۔ (تورات میں تحریف ہوئی ہے تو ضروری نہیں کہ قرآن میں بھی تحریف ہو۔)

ii۔ اگر یہ دلیل درست ہو تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ قرآن میں اضافہ بھی ہوا ہو، جس طرح تورات و انجیل میں اضافہ ہوا ہے اور اس کا بطلان واضح ہے۔

iii۔ گزشتہ امتوں میں بہت سے ایسے واقعات رونما ہوئے ہیں جو اس امت میں رونما نہیں ہوئے۔ مثلاً بچھڑے کی پوجا کرنا، بنی اسرائیل کا چالیس سال سرگرداں رہنا، فرعون اور اس کے ساتھیوں کا غرق ہونا، حضرت سلیمانؑ کا جن و انس پر حکومت کرنا، حضرت عیسیٰ (ع) کو آسمان کی طرف

---

[1] بحار، باب افتراق الامة بعد النبیؐ علی ثلاث و سبعین فرقة، ج ۸، ص ۴۔ اس حدیث کے بعض حوالے اہل سنت کی سند سے اسی کتاب میں گزر چکے ہیں۔

Marfat.com

لے جانا، حضرت موسیٰ (ع) کے وصی حضرت ہارونؑ کا حضرت موسیٰ (ع) سے پہلے وفات پانا، حضرت موسیٰ (ع) سے نو معجزات رونما ہونا۔ بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ (ع) کی ولادت، گزشتہ اقوام میں سے بہت سی قوموں کا بندروں اور خنزیروں کی صورت میں مسخ ہونا اور اس قسم کے بیشمار واقعات ایسے ہیں جو گذشتہ اقوام میں تو واقع ہوئے ہیں، لیکن اس امت میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

یہ اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ معصومؑ کی مراد وہ نہیں جو ظاہری طور پر روایات سے سمجھی جاتی ہے۔ لامحالہ ان روایات کا مطلب یہ ہے کہ بعض جہتوں میں اس امت کو گزشتہ امتوں سے تشبیہ دی گئی ہے، ہر واقعہ میں نہیں۔

بنا برایں اگرچہ قرآن کا کوئی حصہ کم نہیں کیا گیا، لیکن قرآن کے حروف اور الفاظ برقرار رکھتے ہوئے اس کے احکام اور حدود کی پیروی نہ کرنے پر بھی تحریف صادق آتی ہے۔ چنانچہ اس بحث کے آغاز میں مذکورہ روایت کا مفہوم بھی یہی تھا۔ اس کی تائید وتاکید ابو واقد لیثی کی روایت سے بھی ہوتی ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

> خیبر کی طرف جاتے ہوئے رسول اکرمؐ، مشرکین کے ایک درخت کے قریب سے گزرے جو ذات انواط کہلاتا تھا۔ مشرکین اس پر اپنا اسلحہ لٹکاتے تھے۔ اصحاب پیغمبرؐ نے عرض کیا: یا رسول اللہ جس طرح مشرکین کے پاس ذات انواط ہے، ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط کا بندوبست فرمائیں۔ آپؐ نے فرمایا: سبحان اللہ! یہ اسی طرح ہے، جیسے حضرت موسیٰ (ع) کی قوم نے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے بھی بہت سے خداؤں کا انتظام کریں، جس طرح ان کے کئی خدا ہیں۔ قسم بخدا! تم بھی گزشتہ اقوام کی سنت پر عمل کرو گے۔[۱]

یہ روایت تصریح کرتی ہے کہ اس امت میں رونما ہونے والے واقعات بعض جہات سے گزشتہ اقوام کے واقعات سے مشابہت رکھتے ہیں، ہر لحاظ سے نہیں۔

---

[۱] صحیح ترمذی، باب ما جاء لترکبن سنن من کان قبلکم ج ۹، ص ۲۶۔

Marfat.com

iv۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ روایات سند کے اعتبار سے متواتر ہیں اور ان کا معنی بھی وہی ہے جیسا کہ تحریف کے قائل حضرات کہتے ہیں، پھر بھی ان سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ گزشتہ زمانے میں قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ اس لیے کہ ہو سکتا ہے آئندہ زمانے میں قرآن میں کوئی کمی بیشی ہونے والی ہو۔ کیونکہ بخاری کی روایت کے مطابق قیامت تک اس امت کے واقعات گزشتہ امتوں کے واقعات کی مانند رونما ہوتے رہیں گے۔

بنابرایں ان روایات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ صدر اسلام یا خلفاء کے دور میں قرآن میں تحریف واقع ہوئی ہے۔

دوسرا شبہ: تحریف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ امیر المؤمنینؑ کے پاس موجودہ قرآن کے علاوہ ایک اور قرآن تھا، جسے آپؑ نے لوگوں کے سامنے پیش کیا، مگر انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔ یہ قرآن کچھ ایسے حصوں پر مشتمل تھا جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ موجودہ قرآن امیر المؤمنینؑ کے پاس موجود قرآن سے کم ہے اور یہی وہ تحریف ہے جس کی نفی و اثبات میں اختلاف ہے اور اس موضوع کی روایات بہت سی ہیں:

i۔ ان میں سے ایک روایت میں ہے کہ امیر المؤمنینؑ نے مہاجرین اور انصار کی ایک جماعت کے سامنے احتجاج کرتے ہوئے فرمایا:

یا طلحة ان کل آیة أنزلها الله تعالیٰ علی محمد صلی الله علیه و آله عندی باملاء رسول اللّٰہؐ و خط یدی، و تأویل کل آیة أنزلها الله تعالیٰ علی محمدؐ و کل حلال ، أو حرام، أو حدّ، أو حکم، أو شیء تحتاج الیه الأمة الی یوم القیامة، فهو عندی مکتوب باملاء رسول اللّٰہ و خط یدی، حتی أرش الخدش۔[1]

---

[1] مقدمہ تفسیر البرہان، ص ۲۷۔ اس روایت میں یہ تصریح موجود ہے کہ موجودہ قرآن میں جو کچھ ہے، وہ سب قرآن ہی ہے۔

Marfat.com

اے طلحہ! قرآن کی ہر آیت جو خدا نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمائی، میرے پاس موجود ہے۔ جس کی املاء رسول اللہ نے لکھوائی اور میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی۔ ہر اس آیت کی تاویل جو خدا نے محمدؐ پر نازل فرمائی، ہر حلال، حرام، حد، حکم اور ہر وہ چیز جس کی امت محمدیؐ کو قیامت تک احتیاج ہے، میرے پاس رسول خداؐ کی دی ہوئی املاء میں میرے ہاتھ کی لکھی ہوئی موجود ہے۔ حتی کہ اس میں ایک خراش کی حد (سزا) تک کا ذکر موجود ہے۔

ii۔ امیر المومنین کا ایک زندیق سے استدلال کے بارے میں ہے:

أتى بالكتاب كملاً مشتملاً على التأويل و التنزيل، و المحكم و المتشابه، و الناسخ و المنسوخ، لم يسقط منه حرف ألف و لا لام فلم يقبلوا ذلك [1]

آپ نے ایک ایسی مکمل کتاب پیش کی جو تاویل و تنزیل، محکم و متشابہ اور ناسخ و منسوخ پر مشتمل تھی اور اس میں سے ایک الف اور لام تک ضائع نہیں ہوا تھا۔ مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہیں کیا۔

iii۔ کافی میں جابر کی سند سے امام محمد باقر (ع) سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

ما يستطيع احد ان يدعى ان عنده جميع القرآن كله، ظاهره و باطنه غير الاوصياء۔ [2]

سوائے اوصیائے کرام (ع) کے کوئی انسان یہ دعوی نہیں کر سکتا کہ قرآن کا ظاہر و باطن غرض، سارا قرآن اس کے پاس موجود ہے۔

iv۔ جابر امام محمد باقر (ع) سے روایت کرتے ہیں:

سمعت أبا جعفرؑ يقول ما ادّعى أحد من الناس أنه

---

[1] تفسیر صافی المقدمہ السادسہ ص ۱۱ [2] الوافی، ج ۲، کتاب الحجۃ، باب ۷۶ ص ۱۳۰

Marfat.com

جمع القرآن كله كما أنزل الا كذاب، و ما جمعه و حفظه كما نزله الله تعالیٰ الا علی بن ابی طالب و الأئمة من بعده علیهم السلام۔[1]

لوگوں میں سے جو بھی قرآن کو اس طرح جمع کرنے کا دعویٰ کرے جس طرح وہ نازل ہوا تھا، وہ کذاب ہوگا۔ سوائے امیر المؤمنینؑ اور باقی ائمہ طاہرین علیہم السلام کے کسی نے بھی قرآن کو اس طرح جمع اور محفوظ نہیں کیا جس طرح وہ نازل ہوا تھا۔

جواب: اس میں کوئی شک نہیں کہ امیر المؤمنینؑ کے پاس ایک ایسا قرآن موجود تھا جو سوروں کی ترتیب کے اعتبار سے موجودہ قرآن سے مختلف تھا۔ جس پر تمام علماء کا اتفاق ہے اور یہ محتاج دلیل نہیں۔ اگرچہ یہ بھی اپنے مقام پر درست ہے کہ امیر المؤمنینؑ کا قرآن کچھ ایسی زائد چیزوں پر مشتمل تھا جو موجودہ قرآن میں نہیں ہیں، لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ چیزیں قرآن کا حصہ تھیں جو تحریف کی وجہ سے حذف کر دی گئی ہیں، بلکہ صحیح اور حق یہ ہے کہ ان زائد چیزوں میں کلام کی تفسیر اور اس کی تاویل بیان کی گئی ہے یا مقصود الٰہی کی تشریح کی گئی ہے۔

دراصل اس شبہ یا دلیل کی بنیاد یہ ہے کہ تنزیل سے مراد وہ کلام ہو جو بطور قرآن نازل کیا گیا ہو اور تاویل سے کسی لفظ سے ایسی مراد کا قصد کیا جائے جو ظاہری معنی کے خلاف ہو۔ لیکن یہ دونوں معنی متاخرین کی اصطلاح ہیں۔ لغت میں ان دونوں معنی کا کوئی نام و نشان نہیں ہے تاکہ روایات میں تاویل و تنزیل سے یہ معانی مراد لیے جائیں۔

تاویل جو ''اول'' کا مزید فیہ ہے، اس کا معنی رجوع اور برگشت ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے: اول الحکم الی اھلہ ای ردہ الیھم۔ حکم کو اپنے اہل کی طرف پلٹاؤ۔ کبھی تاویل سے انجام کار مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ اس آیہ کریمہ میں یہ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

---

[1] الوافی، ج ۲، کتاب الحجۃ باب ۷۶، ص ۱۳۰۔

Marfat.com

... وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ...[1]

اور آپ کو خوابوں کی تعبیر سکھائے گا....

... نَبِّئْنَا بِتَأْوِيلِهِ ...[2]

... ہمیں اس کی تاویل بتا دیجیے....

... هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ ...[3]

... یہی میرے اس خواب کی تعبیر ہے....

... ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع عَّلَيْهِ صَبْرًا ...[4]

... یہ ہے ان باتوں کی تاویل جن پر آپ صبر نہ کر سکے۔

ان کے علاوہ بھی دوسرے مقامات پر لفظ تاویل انجام کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ بنا بر ایں تاویل قرآن سے مراد کلام کی بازگشت اور اس کا انجام ہے۔ چاہے یہ ظاہری معنی ہو، جسے ہر اہل لغت سمجھ سکتا ہے یا ایک مخفی معنی ہو، جسے صرف راسخون فی العلم سمجھتے ہیں۔

تنزیل بھی ثلاثی مزید فیہ ہے، جس کی اصل نزول ہے۔ کبھی تنزیل نازل شدہ چیز کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے:

إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ ۝ فِي كِتَابٍ مَّكْنُونٍ ۝ لَّا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۝ تَنزِيلٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۝[5]

یہ قرآن یقیناً بڑی تکریم والا ہے۔ جو ایک محفوظ کتاب میں ہے۔ جسے صرف پاکیزہ لوگ ہی چھو سکتے ہیں۔ یہ عالمین کے پروردگار کی طرف سے نازل کردہ ہے۔

اس بیان کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے بطور وحی نازل ہونے والی ہر چیز قرآن ہی ہو۔ بنا بر ایں ان روایات سے یہی استفادہ ہوتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے قرآن میں جو زائد چیزیں تھیں، وہ قرآنی آیات کی تفسیر یا ان میں ان آیات کا انجام بیان کیا گیا ہے۔ یہ روایات ہرگز اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ یہ زائد چیزیں قرآن کا حصہ تھیں۔

۱۔ ۱۲ یوسف: ۶ ۲۔ حوالہ سابق آیت ۳۶ ۳۔ حوالہ سابق آیت ۱۰۰ ۴۔ ۱۸: ۸۲ ۵۔ ۵۶ واقعہ: ۷۷ تا ۸۰

Marfat.com

امیر المومنینؑ کے قرآن میں منافقین کے جو نام مذکور ہیں وہ بھی اسی (تنزیل و تاویل) کے ذیل میں آتے ہیں۔ کیونکہ ان منافقین کے نام یقیناً بطور تفسیر ذکر کیے گئے ہیں۔ (وہ قرآن کا حصہ نہیں ہیں) اس امر پر وہ قطعی دلائل بھی دلالت کرتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا کوئی بھی حصہ ضائع نہیں ہوا۔ اس کے علاوہ منافقین کے ساتھ پیغمبر اسلامؐ کا جو برتاؤ تھا، اس کا بھی یہ تقاضا نہیں کہ منافقین کے نام قرآن کی صورت میں نازل کیے جاتے۔ کیونکہ آپؐ کا شیوہ یہ تھا کہ منافقین کو زیادہ سے زیادہ اپنے ساتھ شریک کرتے اور ان کی منافقت، جسے آپؐ بخوبی جانتے تھے، کو راز میں رکھتے تھے۔ یہ ایسی چیز ہے جو آپؐ کی سیرت اور حسن اخلاق سے آگاہ آدمی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ان حالات میں یہ کیسے ممکن ہے کہ ان منافقین کے ناموں کی قرآن میں تصریح کر دی جائے اور دن رات خود منافقین اور مسلمانوں کو یہ تاکید کی جائے کہ منافقین پر لعنت بھیجیں۔ کیا اس قسم کی روش کا احتمال بھی دیا جا سکتا ہے تاکہ اس کی صحت اور بطلان کے بارے میں سوچا جائے اور اس کے اثبات کے لیے ان روایات سے تمسک کیا جائے جن کے مطابق امیر المومنینؑ کے مصحف (قرآن) میں منافقین کے نام موجود ہیں؟!

البتہ تمام منافقین کو ابولہب، جو کہ برملا رسول اللہؐ سے دشمنی کا مظاہرہ کرتا تھا اور رسول اللہ بھی یہ جانتے تھے کہ یہ مشرک ہی مرے گا، پر قیاس نہیں کیا جا سکتا[1] ہاں! بعید نہیں کہ رسول اللہؐ نے امیر المومنینؑ اور اپنے دیگر اصحاب کے لیے بعض منافقین کی نشاندہی فرمائی ہو۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگرچہ مصحف (قرآن) علی علیہ السلام میں کچھ زائد چیزیں موجود ہیں، مگر یہ اس قرآن کا حصہ نہیں ہیں جس کی تبلیغ کا رسول اللہ کو حکم دیا گیا تھا اور ان زائد چیزوں کو قرآن کا حصہ قرار دینے کی کوئی دلیل ہی نہیں، بلکہ یہ نظریہ بذات خود باطل ہے اور اس کے بطلان پر وہ تمام قطعی دلائل دلالت کرتے ہیں جن سے تحریف قرآن کی نفی ہوتی ہے۔

---

[1] یعنی یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اگر قرآن میں ابولہب کا نام آ سکتا ہے تو باقی منافقین کے نام کیوں نہیں آ سکتے۔ (مترجم)

Marfat.com

تیسرا شبہ: تحریف کی تیسری دلیل کے طور پر اہل بیت عصمت کی ان منقولہ روایات کو پیش کیا جاتا ہے جو تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔

جواب: یہ روایات متنازع فیہ معنی میں تحریف واقع ہونے پر دلالت نہیں کرتیں۔

وضاحت: بہت سی روایات سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں کیونکہ ان میں سے کچھ تو احمد بن محمد سیاری کی کتاب سے منقول ہیں جن کے فاسد المذہب ہونے پر تمام علمائے رجال کا اتفاق ہے۔ اس کے علاوہ یہ تناسخ کا بھی قائل تھا۔ کچھ روایات علی بن احمد کوفی سے منقول ہیں، جو علمائے رجال کے نزدیک کذاب اور فاسد المذہب تھا۔ یہ روایات اگرچہ سند کے اعتبار سے ضعیف ہیں، لیکن چونکہ کثرت سے ہیں اس لیے اتنی ضرور ثابت ہو جاتا ہے کہ بعض روایات ضرور ائمہ اطہار سے صادر ہوئی ہیں اور کم از کم اس کا ظن غالب ضرور حاصل ہو جاتا ہے۔

ان میں سے بعض روایات ایسی بھی ہیں جو معتبر طریقوں سے نقل ہوئی ہیں۔ لہٰذا ہر روایت کی سند کے بارے میں بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

روایات تحریف

اس مقام پر یہ بحث ضروری ہے کہ ان روایات کا مفہوم ایک دوسرے سے مختلف ہے اور ان سے یکساں استفادہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہم ذیل میں ان روایات کی اقسام اور خصوصیات بیان کرتے ہیں۔

یہ روایات کئی قسم کی ہیں:

۱۔ پہلی قسم کی روایات وہ ہیں جن میں لفظ تحریف کا ذکر ہے اور اس لفظ سے تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔ ایسی روایتیں بہت ہیں۔ ان میں سے چند کا ذکر ہم کرتے ہیں اور ان جیسی دیگر روایات کا ذکر نہیں کرتے۔

پہلی روایت: علی بن ابراہیم قمی اپنی سند سے ابوذر سے نقل کرتے ہیں:

لما نزلت هذه الآية: يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ قال رسول الله ترد امتي علي يوم القيامة على خمس رايات. ثم ذكر أن رسول الله صلى الله عليه و آله يسأل الرايات عما فعلوا بالثقلين. فتقول الراية الأولى: أما الأكبر

Marfat.com

فحرفناه، و نبذناه وراء ظهورنا، و أما الأصغر فعاديناه، و أبغضناه، و ظلمناه۔ و تقول الراية الثانية۔ أما الأكبر فحر فناه، و مزقناه، و خالفناه، و أما الأصغر فعاديناه و قاتلناه ....۔،،

جب آیت کریمہ: يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّ تَسْوَدُّ وُجُوْهٌ نازل ہوئی تو رسول اللہؐ نے فرمایا: روز قیامت میری امت پانچ جھنڈے اٹھائے میرے سامنے پیش ہوگی۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں رسول اللہؐ ہر گروہ سے پوچھیں گے: تم ثقلین کے ساتھ کیا سلوک کرتے رہے؟ پہلا گروہ کہے گا: ہم نے ثقل اکبر (قرآن) میں تحریف کی اور اسے پس پشت ڈال دیا اور ثقل اصغر (عترت پیغمبرؐ) سے بغض و عداوت رکھی اور اس پر ظلم کیا۔ دوسرا گروہ کہے گا: ہم نے ثقل اکبر میں تحریف کی۔ اسے پھاڑا، ٹکڑے ٹکڑے کیا اور اس کی مخالفت کی اور ثقل اصغر سے دشمنی روا رکھی اور اس سے جنگ لڑی۔

دوسری روایت: ابن طاؤس اور سید محدث جزائری نے اپنی سندوں سے حسن بن حسن سامری سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے، جس میں رسول اللہؐ نے حدود الٰہی سے تجاوز کرنے والے کے بارے میں حذیفہ سے فرمایا:

انه يضل الناس عن سبيل الله، و يحرف كتابة، و يغير سنتي۔

یہ لوگوں کو راہ خدا سے منحرف، کتاب خدا میں تحریف اور میریؐ سنت کو تبدیل کرتا ہے۔

تیسری روایت: سعد بن عبد اللہ قمی نے اپنی سند سے جابر جعفی اور اس نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

دعا رسول اللهؐ بمنى قال: أيها الناس انى تارك فيكم الثقلين. أما ان تمسكتم بهما لن تضلوا كتاب الله و عترتي. و الكعبة البيت الحرام۔ ثم قال ابو جعفرؑ: اما

Marfat.com

کتاب اللّٰہ فحرفوا، و أما الکعبة فھدموا، و أما العترة فقتلوا، و کل ودائع اللّٰہ قد نبذوا و منھا قد تبرأوا۔

رسول اللہؐ نے منیٰ میں دعا فرمائی اور پھر فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان سے متمسک رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے۔ وہ دو گرانقدر چیزیں قرآن اور میری عترتؑ ہیں اور دیکھو! کعبہ، واجب الاحترام ہے۔ اس کے بعد امامؑ نے فرمایا: لوگوں نے کتاب خدا میں تحریف کی، کعبہ کو گرایا، اور عترت پیغمبرؐ کو شہید کر دیا۔ غرض انہوں نے خدا کی تمام امانتوں کو پس پشت ڈال دیا اور ان سے دور ہو گئے۔

چوتھی روایت: خصال میں صدوق نے اپنی سند سے جابر سے اور انہوں نے رسول اسلامؐ سے راویت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

یجیٔ یوم القیامة ثلاثة یشکون: المصحف، و المسجد، العترة۔ یقول المصحف یا رب حرفونی و مزقونی، و یقول المسجد یارب عطلونی و ضیعونی، و تقول العترة یا رب قتلونا، و ضربونا، و شردونا۔

تین چیزیں بارگاہ الٰہی میں شکایت کریں گی: قرآن، مسجد اور عترت پیغمبرؐ۔ قرآن کہے گا: پالنے والے! لوگوں نے مجھ میں تحریف کی اور مجھے پھاڑ ڈالا۔ مسجد کہے گی: مجھے لوگوں نے بے آباد رکھا اور ضائع کر دیا اور عترت پیغمبرؐ کہے گی: یارب! لوگوں نے ہمیں شہید کیا اور جلا وطن کیا۔

پانچویں روایت: علی بن سوید کہتے ہیں: میں نے امام موسیٰ کاظمؑ ... ایک خط لکھا، جب آپ زندان میں تھے۔ علی بن سوید نے اپنے خط اور امامؑ سے جواب کا مکمل ذکر کیا ہے، جس میں آپؑ نے فرمایا:

کتبت الی أبی الحسن موسیٰؑ و ھو فی الحبس کتابا الی أن ذکر جوابہؑ بتمامہ، و فیہ قولہؑ اؤتمنوا علی کتاب اللّٰہ

Marfat.com

فحرفوه و بدلوه۔

لوگوں میں کتاب الٰہی بطور امانت چھوڑ دی گئی، مگر انہوں نے اس میں تحریف کی اور اسے تبدیل کر دیا۔

چھٹی روایت: ابن شہر آشوب، اپنی سند سے عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت امام حسین علیہ السلام نے روز عاشورا اپنے خطبے میں فرمایا:

انما انتم من طواغیت الامة، و شذاذ الأحزاب، و نبذة الكتاب، و نفثة الشيطان، و عصبة الآثام، و محرفي الكتاب۔

تم اس امت کے طاغوت، گھٹیا گروہ، قرآن کو پس پشت ڈالنے والے، شیطان کی اولاد، گناہ کے پتلے اور کتاب خدا میں تحریف کرنے والے لوگ ہو۔

ساتویں روایت: ابن قولویہ نے کتاب کامل الزیارات میں حسن بن عطیہ اور اس نے امام صادق (ع) سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اذا دخلت الحائر فقل: اللهم العن الذين كذبوا رسلك، و هدموا كعبتك، و حرفوا كتابك....۔

جب تم سید الشہداء (ع) کے حرم میں داخل ہو تو کہو: ان لوگوں پر تیری لعنت ہو جنہوں نے تیرے رسولوں کی تکذیب کی، تیرے کعبہ کو منہدم کیا اور تیری کتاب میں تحریف کی۔

آٹھویں روایت: حجال نے قطبہ بن میمون سے اور اس نے عبد الاعلیٰ سے روایت کی ہے کہ امام جعفر صادق (ع) نے فرمایا:

قال أبو عبدالله؏ أصحاب العربية يحرفون كلام الله عز و جل عن مواضعه۔

عربیت پرست قرآن میں اس کی جگہوں میں تحریف کرتے ہیں۔

روایات کا حقیقی مفہوم

اس مضمون کی روایات کا جواب یہ ہے اور آخری روایت سے یہ ظاہر ہوتا

Marfat.com

ہے کہ تحریف سے مراد قاریوں کا اختلاف اور قرائات کے سلسلے میں ان کا ذاتی اجتہاد ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقت اور اصل قرآن تو محفوظ ہے، صرف قرأت کی کیفیت میں اختلاف ہے۔ تحریف کی بحث کے آغاز میں ہم واضح کر چکے ہیں کہ اس معنی میں قرآن میں یقیناً تحریف ہوئی ہے۔ چونکہ سات کی سات قرائات متواتر نہیں ہیں، بلکہ اگر قرائات ہفتگانہ متواتر بھی ہوں، پھر بھی اس معنی میں قرآن میں تحریف ہوئی ہے۔ اس لیے کہ قرائات زیادہ ہیں اور یہ سب کی سب ظنی اجتہادات پر مشتمل ہیں، جن سے قہری طور پر قرأت کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس روایت کا مستدل کے مقصد و مدعا سے کوئی تعلق نہیں۔

جہاں تک باقی روایات کا تعلق ہے، ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ ان میں تحریف سے مراد آیات قرآنی کو غلط معانی پر محمول کرنا ہے۔ جس کا لازمی نتیجہ اہل بیت کے فضائل کا انکار، ان سے دشمنی کرنا اور جنگ لڑنا ہے۔ اس بات کی شہادت اس سے ملتی ہے کہ سید الشہداء (ع) کے خطبے میں تحریف کی نسبت آپؑ کے مقابلے میں آنے والے بنی امیہ کی طرف دی گئی ہے۔

آغاز بحث میں مذکورہ روایت میں امام باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے:

وکان من نبذهم الکتاب أنهم أقاموا حروفه، و حرفوا حدوده۔

ان لوگوں نے کتاب الٰہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ اس کے حروف کو تو برقرار رکھا، مگر اس کی حدود میں تحریف کی۔

i۔ ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ قرآن میں اس معنی (الفاظ قرآن سے غلط معنی اخذ کرنا) میں یقیناً تحریف واقع ہوئی ہے۔ یہ ہمارے محل نزاع سے خارج ہے۔ کیونکہ اگر قرآن میں یہ تحریف واقع نہ ہوئی ہوتی تو عترت پیغمبرؐ کے حقوق محفوظ رہتے، رسول اسلامؐ کا احترام برقرار رہتا اور آل رسولؐ کے حقوق پامال کر کے رسول گرامیؐ کو اذیت نہ دی جاتی۔

ii۔ دوسری قسم کی روایات وہ ہیں جن کے مطابق قرآنی آیات میں ائمہ ہدیٰ کے نام موجود تھے، جو تحریف کے نتیجے میں نکال دیئے گئے ہیں اور یہ روایات کثرت

Marfat.com

سے ہیں۔ ان میں سے چند یہ ہیں:

الف۔ کافی کی روایت ہے، جسے محمد بن فضیل نے ابوالحسن موسیٰ ابن جعفر علیہما السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

ولایة علی بن ابی طالب مکتوب فی جمیع صحف الانبیاء و لن یبعث اللّٰہ رسولا إلا بنبوة محمد و "ولایة" وصیه صلی اللّٰہ علیهما و آلهما۔

امیر المؤمنین کی ولایت تمام انبیاء کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ نے کسی بھی رسول کو اس وقت تک نہیں بھیجا، جب تک اسے خاتم الانبیاءؐ کی نبوت اور آپؐ کے وصی علیہ السلام کی ولایت سے آگاہ نہیں کیا۔

ب۔ عیاشی میں امام صادق (ع) سے روایت ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

لو قرأ القرآن۔ کما انزل۔ لألفینا مسمین۔

اگر قرآن کی اسی طرح تلاوت کی جاتی جس طرح اسے نازل کیا گیا تھا تو لوگ ہمیں نام سے پہچانتے۔

ج۔ کافی، تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر (ع) سے اور کنزالفوائد میں مختلف سندوں سے ابن عباس سے اور تفسیر فرات بن ابراہیم کوفی میں متعدد سندوں سے اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے:

قالوا: قال امیر المؤمنینؑ القرآن نزل علی اربعة ارباع، ربع فینا، و ربع فی عدونا، و ربع سنن و امثال، و ربع فرائض و احکام، و لنا کرائم القرآن۔

امیر المؤمنینؑ نے فرمایا: قرآن چار حصوں میں نازل ہوا ہے۔ اس کا ایک چوتھائی ہماری شان میں، ایک چوتھائی ہمارے دشمنوں کے بارے میں، ایک چوتھائی سیرت اور مثالوں کے بارے میں اور ایک چوتھائی واجبات اور دیگر احکام کے بارے میں ہے اور قرآن کی عزت و کرامت ہماری ذات سے مختص ہے۔

Marfat.com

د۔ کافی میں امام محمد باقر (ع) سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

نزل جبرئیل بهذه الآية على محمدؐ هكذا: و ان كنتم في ريب ممانزلناعلى عبدنا۔ في علي۔ فاتوا سورة من مثله.

جبرئیل آنحضرتؐ کی خدمت میں یہ آیت اس طرح لے کر آیا تھا: علی کے بارے میں جو کچھ ہم نے آپؐ پر نازل کیا ہے اس میں اگر شک ہو تو اس کی مانند ایک سورہ پیش کر کے دکھاؤ۔

جواب: بعض چیزیں تفسیر قرآن کے طور پر نازل ہوا کرتی تھیں، جو کہ خود قرآن نہیں ہوتی تھیں۔ لہٰذا ان روایات سے بھی یہی مراد ہونی چاہیے کہ اگر قرآن میں ائمہؑ کے نام موجود تھے تو بطور تفسیر ہوں گے اور قرآن کا حصہ نہیں ہوں گے۔

اگر ان روایات سے یہ معنی اخذ نہ کیے جائیں تو سرے سے ان روایات کو رد کرنا پڑے گا، کیونکہ یہ روایات کتاب و سنت اور ان قطعی دلیلوں کے خلاف ہیں، جن سے عدم تحریف ثابت ہوتی ہے۔ روایات متواترہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ روایات کو قرآن و سنت کے مقابلے میں پیش کرنا ضروری ہے اور جو روایت کتاب خدا کے خلاف ہو، اس کو ٹھکرا دینا اور دیوار پر مار دینا واجب ہے۔

قرآن میں امیر المؤمنینؑ کے نام کی تصریح نہ ہونے کی دلیلوں میں سے ایک دلیل حدیث غدیر ہے۔ کیونکہ حدیث غدیر میں اس بات کی تصریح ہے کہ رسول خداؐ نے خدا کی طرف سے حکم و تاکید اور آپؐ نے تحفظ کی ضمانت لینے کے بعد امیر المؤمنینؑ کو اپنا ولی نصب فرمایا۔

اگر قرآن میں امیر المؤمنینؑ کا نام موجود ہوتا تو اس تقرری اور مسلمانوں کے اس عظیم اجتماع کے اہتمام کی ضرورت نہ ہوتی اور نہ رسول اللہؐ کو کسی قسم کا خطرہ محسوس ہوتا۔

خلاصہ یہ کہ حدیث غدیر کی صحت سے ان روایات کا کذب ثابت ہوتا ہے جو یہ کہتی ہیں کہ ائمہؑ کے اسماء قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یہ نکتہ قابل غور ہے کہ حدیث غدیر، حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اسلامؐ کی زندگی کے آخری ایام میں صادر ہوئی تھی، جب سارا قرآن نازل ہو چکا اور مسلمانوں میں پھیل گیا تھا اور [illegible]

Marfat.com

روایت جو کافی میں نقل کی گئی ہے، وہ بذات خود قابل تصدیق نہیں ہے۔

ان سب کے علاوہ جب پیغمبر اکرمؐ کی نبوت کو ثابت اور قرآن کی مثل لانے کا چیلنج کیا جا رہا ہو تو ایسے موقع پر علی علیہ السلام کا نام ذکر کرنا مقتضی حال کے مطابق نہیں ہے اور ان تمام روایات کی معارض کافی کی صحیحہ ابی بصیر ہے۔ ابو بصیر کہتے ہیں: میں نے امامؑ سے آیہ: اَطِيعُوا اللّٰهَ وَاَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ [1] کی تفسیر پوچھی تو آپؑ نے فرمایا:

> قال: فقال نزلت فی علی بن ابی طالبؑ و الحسنؑ و الحسینؑ فقلت له: ان الناس یقولون فما له لم یسم علیاً و أهل بیته فی کتاب الله ـ قالؑ: فقولوا لهم ان رسول اللهؐ نزلت علیه الصلاة و لم یسم الله لهم ثلاثا، و لا أربعاً، حتی کان رسول اللهؐ هو الذی فسر لهم ذلك... [2]
>
> یہ آیت کریمہ علی ابن ابی طالب، حسن اور حسین علیہم السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ میں نے عرض کیا: مولا! لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے قرآن میں آپؑ اور آپؑ کے اہل بیتؑ کے نام کیوں ذکر نہیں فرمائے؟ آپؑ نے فرمایا: تم ان لوگوں کو جواب میں کہو کہ خدا نے رسول اللہؐ پر نماز بھی نازل فرمائی ہے، لیکن قرآن میں تین یا چار رکعتوں کا ذکر کسی بھی جگہ نہیں ہے، بلکہ خود رسول اللہؐ اس کی تفسیر فرمایا کرتے تھے۔

بنا بر ایں یہ روایت ان تمام روایات پر مقدم ہو گی اور یہ ان روایات کا صحیح مطلب و مقصد بیان کر رہی ہے اور یہ کہ قرآن میں علیؑ کا نام بطور تفسیر و تنزیل بیان کیا گیا ہے، یہ قرآن کا حصہ نہیں ہے، جس کی تبلیغ کا حکم دیا گیا ہو۔

اس کے علاوہ جنہوں نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کیا تھا، انہوں نے اپنے استدلال میں یہ کبھی نہیں کہا کہ حضرت علی علیہ السلام کا نام (بطور خلیفہ) قرآن میں موجود ہے۔ اگر آپؑ کا نام قرآن میں موجود ہوتا تو یہ ان لوگوں کے لیے ایک بہترین

---

[1] ۴ نساء: ۵۹   [2] الوافی، ج ۲، باب ۳۰، مانص الله و رسوله علیهم۔ ص ۶۳

Marfat.com

دلیل بنتی اور وہ اس کا ذکر ضرور کرتے۔

اس دلیل کو اس اعتبار سے بھی زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے کہ (مستدل کے زعم میں) جمع قرآن کا مسئلہ، مسئلہ خلافت کے تصفیہ کے کافی عرصہ بعد پیش آیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کی کسی آیہ میں علی علیہ السلام کا نام موجود نہیں تھا، جس کو حذف کر دیا گیا ہو۔

iii۔ تیسری قسم کی روایات وہ ہیں جن کے مطابق قرآن میں اضافہ اور کمی کی صورت میں تحریف واقع ہوئی ہے اور یہ کہ امت نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بعض کلمات قرآن کو تبدیل کر کے دوسرے کلمات کو رکھ دیا ہے۔ وہ روایات یہ ہیں:

الف۔ علی بن ابراہیم قمی نے حریز کی سند سے حضرت ابی عبد اللہ امام صادق علیہ السلام سے سورہ حمد کی آیہ کو یوں بیان فرمایا ہے:

صراط من انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم و غیر الضالین۔

ب۔ عیاشی نے ہشام بن سالم سے روایت کی ہے۔ ہشام فرماتے ہیں: میں نے حضرت ابوعبد اللہ صادق سے آیۂ کریمہ: إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ [1] کی تفسیر پوچھی تو آپ نے فرمایا:

آیۂ کریمہ اصل میں آل ابراھیم و آل محمد علی العالمین تھی، لوگوں نے ایک اسم کی جگہ دوسرے کو رکھ دیا ہے۔ یعنی لوگوں نے قرآن میں تبدیلی کی ہے اور آل محمد کی جگہ آل عمران رکھ دیا ہے۔

جواب: ان روایات کی سند ضعیف ہے اور اگر اس سے چشم پوشی بھی کی جائے تو یہ روایات قرآن، سنت اور اجماع مسلمین کے خلاف ہیں، جن کے مطابق قرآن میں ایک حرف کی بھی زیادتی نہیں ہوئی ہے۔ حتیٰ کہ جو حضرات تحریف کے قائل ہیں، وہ بھی اس معنی میں تحریف کے قائل نہیں ہیں۔

علماء کی ایک جماعت نے قرآن میں زیادتی واقع نہ ہونے پر اجماع کا دعوی

---

[1] ۳ آل عمران: ۳۳

Marfat.com

فرمایا ہے اور یہ کہ جو کچھ بھی بین دفتین موجود ہے، سب کا سب قرآن ہے اور ایک لفظ بھی زیادہ نہیں ہے۔ جن حضرات نے اجماع کا دعویٰ فرمایا ہے، ان میں شیخ مفید، شیخ طوسی، شیخ بہائی اور دیگر علمائے کرام شامل ہیں۔

اس سے قبل احتجاج طبرسی کی وہ روایت بھی بیان کی جا چکی ہے جس کے مطابق قرآن میں کوئی کمی واقع نہیں ہوئی۔

iv۔ چوتھی قسم کی روایات وہ ہیں، جن کے مطابق قرآن میں تحریف کمی کی صورت میں واقع ہوئی ہے۔

جواب: ان روایات کو اس معنی پر حمل کیا جائے گا جس پر مصحف امیر المؤمنین میں موجود اضافات کو حمل کیا گیا ہے اور اگر کسی روایت کو اس معنی پر حمل نہ کیا جا سکے تو اسے ٹھکرا دیا جائے گا، کیونکہ یہ قرآن وسنت کی مخالف سمجھی جائے گی۔

ہم نے اپنی بحثوں کے دوران اس قسم کی روایات کا ایک اور معنی بھی کیا ہے۔ شاید یہ معنی سب سے قریب ہو، مگر اختصار کی خاطر اس معنی کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کسی اور جگہ اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا۔

اس قسم کی بعض بلکہ اکثر روایات کی سند ضعیف ہے اور بعض روایات کا تو بذات خود کوئی صحیح معنی نہیں بنتا اور علمائے کرام نے فرمایا ہے کہ یا تو اس قسم کی روایات کی تاویل کرنی چاہیے یا انہیں ٹھکرا دینا چاہیے۔

ان علمائے کرام میں سے ایک محقق کلباسی ہیں۔ ان سے منقول ہے:

> وہ تمام روایات اجماع علماء کے خلاف ہیں جو قرآن میں تحریف پر دلالت کرتی ہیں۔

آپ مزید فرماتے ہیں:

> اس قول کی کوئی دلیل نہیں کہ موجودہ قرآن میں کسی قسم کی کمی موجود ہے۔ اس لیے کہ اگر اس میں کسی قسم کی کمی واقع ہوئی ہوتی تو یہ مشہور ہوجاتی، بلکہ بطور تواتر اس کو نقل کیا جاتا، کیونکہ غیر معمولی اور اہم واقعات کا یہی تقاضا ہے کہ انہیں بطور تواتر نقل کیا جائے اور تحریف فی القرآن سے بڑھ کر اور کون سا واقعہ اہم ہو سکتا

Marfat.com

ہے۔

شارح وافیہ محقق بغدادی نے اس بات کی تصریح کی ہے اور اسے محقق کرکی سے نقل فرمایا ہے، جنہوں نے اس موضوع پر ایک مستقل رسالہ بھی لکھا ہے۔ محقق کرکی اس رسالہ میں فرماتے ہیں:

جو روایت بھی قرآن میں کمی واقع ہونے پر دلالت کرتی ہیں یا تو ان کی تاویل کرنی چاہیے یا انہیں ٹھکرا دینا چاہیے۔ چونکہ جو حدیث بھی قرآن، سنت متواترہ اور اجماع کے خلاف ہو اور قابل تاویل نہ ہو، اسے ٹھکرانا ضروری ہے۔

مؤلف: محقق کرکی نے اپنے اس کلام میں اس نکتہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کی طرف اس سے قبل ہم نے اشارہ کیا تھا۔ یعنی روایت متواترہ اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جو روایت بھی قرآن کے خلاف ہو، اس کو ٹھکرانا لازمی ہے۔ ان متواترہ روایت میں سے ایک روایت یہ ہے:

شیخ صدوق محمد بن علی بن الحسین صحیح سند سے امام جعفر صادق (ع) سے روایت فرماتے ہیں:

الوقوف عند الشبهة خير من الاقتحام في الهلكة، ان على كل حق حقيقة، و على كل صواب نوراً، فما وافق كتاب الله فخذوه، و ما خالف كتاب الله فدعوه...[1]

شک و شبہ کے وقت توقف کرنا ہلاکت میں پڑنے سے بہتر ہے۔ ہر حق کے پیچھے ایک حقیقت ہوا کرتی ہے اور ہر حقیقت کے کچھ آثار ہوتے ہیں۔ جو بات بھی کتاب خدا کے مطابق ہو اسے لے لو اور جو کتاب خدا کے مخالف ہو اسے ترک کر دو۔

شیخ جلیل سعید بن هبة الله قطب راوندی صحیح سند سے امام جعفر صادق (ع) سے روایت فرماتے ہیں:

اذا ورد عليكم حديثان مختلفان فاعرضوهما على كتاب الله، فما وافق كتاب الله فخذوه، و ما خالف كتاب الله فردوه ....[2]

---

[1] وسائل، ج ۳ کتاب القضاء، باب وجوه الجمع بین الاحادیث المختلفة و کیفیة العمل به ص ۳۸۰

Marfat.com

جب تم تک دو مختلف احادیث پہنچیں تو انہیں کتاب خدا کے ذریعے
جانچو بایں معنی کہ ان میں سے جو بھی کتاب خدا کے مطابق ہو اسے
لے لو اور جو کتاب خدا کے مطابق نہ ہو اسے ٹھکرا دو۔

چوتھا شبہ: اس دلیل کا خلاصہ جمع قرآن کی کیفیت اور اس کیفیت سے تحریف کا لازم آنا ہے۔ آئندہ آنے والی بحث ''جمع قرآن کے بارے میں نظریات'' میں اس شبہ و دلیل کو باطل ثابت کیا جائے گا۔

☆☆☆☆☆

Marfat.com

جمع قرآن
کے بارے میں نظریات

جمع قرآن وہ موضوع ہے جسے تحریفی حضرات اپنی دلیل قرار دیتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ جمع قرآن کی کیفیت کا لازمہ (عام حالات میں) قرآن میں تحریف و تغییر ہے۔ اس بحث کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ قرآن ہر قسم کی تحریف اور تغییر سے پاک ومنزہ ہے۔

اس شبہ کا منشا ان حضرات کا یہ گمان ہے کہ جب بئر معونہ میں ستر اور جنگ یمامہ میں چار سو قاری قتل ہو گئے تو اس طرح قرآن کے ضائع ہو جانے کا خطرہ پیدا ہوا۔ چنانچہ قرآن کی بقا اور اس کے تحفظ کی خاطر حضرت ابوبکرؓ کے حکم پر حضرت عمرؓ اور زید بن ثابت نے کھجور کی ٹہنیوں، کپڑے کے ٹکڑوں، باریک پتھروں اور دو عادل گواہوں کی گواہی کے بعد لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کرنا شروع کر دیا۔

جمع قرآن کی اس کیفیت کی تصریح بہت سی روایات میں کی گئی ہے۔ اس طریقے سے جمع کرنے والا انسان جب غیر معصوم ہو تو عموماً کوئی نہ کوئی چیز، آیہ وغیرہ رہ جاتی ہے، جس تک جمع کرنے والے کی دسترس نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر کوئی انسان کسی ایک یا کئی شعراء کا کلام جمع کرنا چاہے جو متفرق اور بکھرا پڑا ہو تو کسی نہ کسی شعر یا بیت کے رہ جانے کا خدشہ باقی رہتا ہے۔ انسانی عادت کے مطابق یہ ایک قطعی اور یقینی امر ہے اور اگر یقین نہ ہو تو اس طرح جمع کرنے سے تحریف کا احتمال ضرور رہتا ہے۔ کیونکہ یہ احتمال باقی رہتا ہے کہ بعض ایسی آیات کی گواہی دو عادل نہ دے سکیں جو پیغمبر اکرم (ص) سے سنی گئی ہوں۔ بنا بر ایں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ سارے کا سارا قرآن جمع کر لیا گیا ہے اور اس میں کوئی کمی باقی نہیں رہی۔

Marfat.com

جواب: یہ شبہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمع قرآن کی کیفیت سے متعلق تمام روایات صحیح ہوں۔ لہٰذا بہتر ہے کہ ہم پہلے ان روایات کو بیان کریں اور اس کے بعد ان پر کیے جانے والے اعتراضات پیش کریں۔

جمع قرآن کی روایات

۱۔ زید بن ثابت سے روایت ہے:

حضرت ابوبکرؓ نے جنگ یمامہ کے موقع پر مجھے بلوایا، ان کے پاس جانے پر معلوم ہوا کہ حضرت عمرؓ بھی ان کے پاس موجود تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا: عمرؓ میرے پاس آئے ہیں اور انہوں نے کہا کہ یمامہ کے موقع پر قاریان قرآن کثرت سے قتل کر دیے گئے ہیں اور انہیں ڈر ہے کہ اور مقامات پر بھی قاریان قرآن کثرت سے قتل کیے جائیں گے اور اس طرح قاریوں کے سینوں میں موجود قرآن ضائع ہو جائے گا اس لیے مصلحت اسی میں ہے کہ میں (حضرت ابوبکرؓ) قرآن کو ایک مستقل کتاب کی صورت میں جمع کرنے کا حکم صادر کروں۔ میں نے (حضرت ابوبکرؓ) جواب میں کہا ہے کہ میں وہ کام کیسے انجام دوں جو رسول اللہ (ص) نے انجام نہیں دیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا: قسم بخدا یہ تو ایک کار خیر ہے۔ حضرت عمرؓ بار بار یہی تجویز پیش کرتے رہے، حتیٰ کہ خدا نے میرا سینہ کشادہ فرمایا اور میں بھی حضرت عمرؓ کا ہم رائے ہوگیا۔ زید کہتے ہیں کہ ابو بکرؓ نے مجھ سے کہا: تم ایک عقلمند، قابل اعتماد اور سچے جوان ہو اور رسول اللہ (ص) کے زمانے میں وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ آج بھی تم جمع قرآن کے اس عظیم عمل کو انجام دو۔ زید کہتے ہیں: خدا کی قسم اگر حضرت ابو بکرؓ ایک پہاڑ کو اپنی جگہ سے اٹھانے کا حکم دیتے تو میرے لیے آسان تھا، مگر جمع قرآن کا کام مشکل۔ اس لیے میں نے بھی حضرت ابوبکرؓ سے کہا: آپ یہ کام کیسے انجام دینا چاہتے ہیں جو خود رسول اللہ (ص) نے

Marfat.com

انجام نہیں دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا: یہ ایک اچھا کام ہے۔ حضرت ابوبکرؓ اپنی یہ رائے مکرر بیان کرتے رہے۔ حتیٰ کہ خدا نے مجھے وسعت صدر عطا فرمائی اور جو بات حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے دل میں تھی، وہ میرے دل میں بھی اتر گئی اور میں نے تختوں، کاغذ کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن کو جمع کرنا شروع کر دیا۔ یہاں تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصہ صرف ابی خزیمہ انصاری سے ملا اور وہ یہ تھا: لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ۞[1]

ان صحیفوں سے جمع شدہ قرآن ایک کتاب کی صورت میں حضرت ابوبکرؓ کے پاس تھا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس تھا اور ان کی وفات کے بعد ان کی بیٹی حفصہؓ کے پاس تھا۔[2]

۲۔ ابن شہاب انس بن مالک سے نقل کرتے ہیں:

جب حذیفہ بن یمان اہل شام اور اہل عراق کے ہمراہ آرمینیہ اور آذربائیجان کو فتح کرنے میں مصروف تھے تو قرآن کی قرأتوں میں لوگوں کے اختلافات دیکھ کر گھبرا گئے اور حضرت عثمانؓ سے جا کر کہا کہ قبل اس کے کہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان بھی اپنی آسمانی کتاب کے بارے میں اختلاف کا شکار ہو جائیں، کتاب خدا کی خبر لیجیے۔ چنانچہ حضرت عثمانؓ نے حفصہ کو یہ پیغام بھیجا کہ جمع شدہ قرآن ان کی طرف بھیج دے، وہ اس کے مزید نسخے بنا کر واپس کر دیں گے۔ حفصہؓ نے قرآن حضرت عثمانؓ کی طرف بھیجا اور زید بن ثابت، عبد اللہ بن زبیر، سعید بن العاص اور عبد الرحمن بن الحرث بن ہشام نے حضرت عثمانؓ کے حکم پر قرآن کے

---

[1] توبہ ۹: ۱۲۸۔۱۲۹ [2] صحیح بخاری باب جمع القرآن ۶: ۹۸

Marfat.com

مزید نسخے بنائے۔ حضرت عثمان نے ان تینوں کاتبوں سے جو قریش تھے کہا کہ اگر قرأت قرآن میں تم اور زید بن ثابت میں کوئی اختلاف ہو تو اسے لغت قریش میں لکھو، اس لیے کہ قرآن لغت قریش کے مطابق نازل ہوا ہے۔ قرآن کے متعدد نسخے بنا کر اسے واپس حفصہ کے پاس بھیج دیا گیا اور ہر جگہ ایک ایک نسخہ بھیجا گیا اور یہ حکم دیا گیا کہ ان نسخوں کے علاوہ جہاں کہیں کوئی قرآن یا اس کا حصہ ملے جلا دیا جائے۔

ابن شہاب کہتے ہیں:

مجھے خارجہ بن زید بن ثابت نے بتایا کہ اس نے زید بن ثابت کو یہ کہتے سنا ہے: قرآن کے نسخے لکھتے وقت مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی جسے میں رسول اللہ (ص) سے سنا کرتا تھا، چنانچہ تلاش بسیار کے بعد وہ آیہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس ملی۔

وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ....[1] ہم نے اس آیہ کو سورۂ احزاب میں شامل کر لیا۔[2]

۳۔ ابن ابی شیبہ اپنی سند سے امیر المومنین (ع) سے نقل کرتے ہیں:

قرآن کی جمع آوری میں سب سے زیادہ ثواب حضرت ابوبکرؓ کو ملے گا، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے قرآن کو کتاب کی صورت میں جمع کیا۔

۴۔ ابن شہاب سالم بن عبداللہ اور خارجہ سے نقل کرتے ہیں:

حضرت ابوبکرؓ نے قرآن کو چند کاغذوں میں جمع کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے زید بن ثابت سے کہا کہ ان میں نظرثانی کریں، مگر اس نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس سلسلے میں حضرت عمرؓ سے مدد طلب کی اور زید بن ثابت نے ان کاغذوں پر نظرثانی

۱۔ الاحزاب ۳۳: ۲۳

۲۔ صحیح بخاری ۶: ۹۹۔ یہ دونوں اور اس کے بعد اکیس تک کی روائتیں منتخب کنز العمال، جو حاشیہ مسند احمد میں ہے، میں مذکور ہیں۔ ج ۲ ص ۴۳۔۵۲

Marfat.com

کی۔ یہ نسخہ حضرت ابوبکرؓ کی زندگی میں ان کے پاس تھا۔ ان کی وفات کے بعد یہ حضرت عمرؓ کے پاس رہا اور ان کی وفات کے بعد یہ پیغمبر اکرم (ص) کی زوجہ حفصہؓ کے پاس رہا۔ حضرت عثمانؓ نے حفصہ سے یہ نسخہ طلب کیا، مگر وہ نہ مانیں۔ لیکن جب حضرت عثمانؓ نے ان سے یہ وعدہ کیا کہ وہ اس سے مزید نسخے بنا کر اسے واپس کر دیں گے تو وہ راضی ہوگئیں اور حضرت عثمانؓ کو یہ نسخہ بھیج دیا۔ حضرت عثمانؓ نے اس کے متعدد نسخے بنا کر اصل واپس بھیج دیا اور آخر تک یہ انہی (حفصہ) کے پاس رہا۔

۵۔ ہشام بن عروہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں:

جس وقت اہل یمامہ قتل کر دیے گئے، حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ بن خطاب اور زید بن ثابت سے کہا: تم دونوں مسجد کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو تمہارے پاس قرآن کا کوئی حصہ لے کر آئے اور تمہیں اس کے قرآن ہونے میں شک ہو اور دو عادل گواہ اس کے قرآن ہونے کی شہادت دیں تو اس کو تحریر کر لو۔ اس لیے کہ مقام یمامہ پر ایسے اصحاب رسول (ص) قتل کر دیے گئے ہیں جنہوں نے قرآن جمع کیا تھا۔

۶۔ محمد بن سیرین روایت کرتے ہیں:

جس وقت حضرت عمرؓ قتل کیے گئے، اس وقت قرآن جمع نہیں کیا گیا تھا۔

۷۔ حسن روایت کرتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے قرآن کی کسی آیت کے بارے میں سوال کیا۔ انہیں بتایا گیا کہ وہ آیہ فلاں آدمی کے پاس تھی جو جنگ یمامہ میں قتل کر دیا گیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا: انا للہ۔ پھر انہوں نے قرآن جمع کرنے کا حکم دیا۔ بنا بر ایں حضرت عمرؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے قرآن کو ایک کتاب کی صورت میں جمع کیا۔

Marfat.com

۸۔ یحییٰ بن عبد الرحمٰن بن حاطب نے روایت کی ہے:

حضرت عمرؓ نے قرآن جمع کرنا چاہا۔ وہ لوگوں کے مجمع میں کھڑے ہو گئے اور کہا: جس جس نے قرآن کا کوئی حصہ رسول اسلام (ص) سے سنا ہے وہ اسے میرے سامنے پیش کرے۔ اس وقت قرآن تختوں اور کاغذ کے ٹکڑوں وغیرہ پر لکھا ہوا لوگوں کے پاس موجود تھا اور جب تک دو عادل گواہ شہادت نہ دیتے ،اس وقت تک حضرت عمرؓ اسے قرآن کے طور پر تسلیم نہ کرتے۔ اس جمع آوری کے دوران حضرت عمرؓ قتل کر دیئے گئے۔ ان کے بعد یہ کام حضرت عثمانؓ نے سنبھالا اور اعلان کیا: جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو اسے میرے پاس لے آئے۔ حضرت عثمانؓ بھی قرآن تب تسلیم کرتے تھے، جب دو عادل گواہی دیں۔ اسی دوران خزیمہ بن ثابت آئے اور کہا: تم لوگوں نے دو آیتیں چھوڑ دی ہیں ، لوگوں نے کہا: وہ کون سی ہیں؟ جواب دیا: میں نے رسول اللہ (ص) سے یہ آیت سنی ہے: لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ...الخ حضرت عثمانؓ نے کہا: میں بھی شہادت دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی ہیں۔ مگر ان دونوں کو کس جگہ رکھنا چاہیے؟ خزیمہ نے کہا: اسے اس سورۃ کے خاتمے میں شامل کر دیں جو آخر میں نازل کیا گیا ہو۔ چنانچہ میں نے سورۂ برأت کے آخر میں لکھ دیا۔

۹۔ عبید بن عمیر نے روایت کی ہے:

حضرت عمرؓ اس وقت تک کسی آیہ کو قرآن میں شامل نہیں کرتے تھے جب تک دو آدمی شہادت نہ دے دیں۔ چنانچہ انصار میں سے ایک آدمی یہ دو آیتیں لے کر آیا: لَقَدۡ جَآءَکُمۡ رَسُوۡلٌ مِّنۡ اَنۡفُسِکُمۡ ... الخ حضرت عمرؓ نے کہا: میں تم سے اس آیہ کریمہ کے بارے میں کوئی گواہی طلب نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ رسول اللہ (ص)

Marfat.com

بھی اسی طرح پڑھا کرتے تھے۔[1]

۱۰۔ سلیمان بن ارقم نے حسن، ابن سیرین اور ابن شہاب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

جب جنگ یمامہ میں قاریان قرآن بڑی تیزی سے قتل کیے گئے۔ حتیٰ کہ چار سو قاری قتل کر دیے گئے تو زید بن ثابت نے حضرت عمرؓ سے کہا: ہمارے دین کا دارومدار قرآن ہے۔ اگر قرآن ضائع ہو گیا تو دین بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا۔ اس لیے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ قرآن جمع کرنا شروع کر دوں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: آپ کچھ انتظار کریں تاکہ میں حضرت ابوبکرؓ سے پوچھ لوں۔ چنانچہ حضرت عمرؓ اور زید بن ثابت دونوں حضرت ابوبکرؓ کے پاس گئے اور انہیں اس صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ابھی جلدی نہ کریں مجھے مسلمانوں سے مشورہ کر لینے دیں۔ اس کے بعد خطبے میں انہوں نے لوگوں کو اس سے آگاہ کیا۔ لوگوں نے اس کی تائید کی اور کہا: آپ کا فیصلہ بالکل صحیح ہے۔ یہاں سے قرآن کی جمع آوری شروع ہو گئی اور حضرت ابوبکرؓ نے منادی کرائی کہ جس جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہے، وہ انہیں لا دے۔

۱۱۔ خزیمہ بن ثابت نے روایت بیان کی ہے:

میں آیہ شریفہ لَقَدْ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ ...... لے کر حضرت عمرؓ بن خطاب اور زید بن ثابت کے پاس گیا۔ زید نے کہا: تمہارے ساتھ دوسرا گواہ کون ہے؟ میں نے کہا: مجھے کسی دوسرے گواہ کا علم نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اس کے ساتھ دوسری گواہی میں دیتا ہوں کہ یہ قرآن کی آیہ ہے۔

---

[1] اس روایت کے علاوہ جتنی روایات منتخب سے نقل کی ہیں وہ سب کنز العمال جمع القرآن ۲، ۴۱، ۳ میں موجود ہیں۔ یہ روایت یحییٰ بن جعدہ سے منقول ہیں۔

Marfat.com

۱۲۔ ابو اسحاق نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کی ہے:

جس وقت حضرت عمر بن خطابؓ نے قرآن کی جمع آوری کی تو انہوں نے لوگوں سے پوچھا: لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح کون ہے؟ جواب دیا گیا: سعید بن عاص۔ اس کے بعد پوچھا: سب سے اچھی کتابت کس کی ہے؟ جواب میں کہا گیا: زید بن ثابت کی۔ اس پر حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ سعید بن عاص املاء لکھائے اور زید بن ثابت لکھے۔ اس طرح چار قرآن لکھے گئے۔ ان میں سے ایک قرآن کوفہ، دوسرا بصرہ، تیسرا شام اور چوتھا حجاز کی طرف بھیجا گیا۔

۱۳۔ عبد اللہ بن فضالہ نے روایت بیان کی ہے:

جب حضرت عمرؓ قرآن لکھنے لگے تو اپنے اصحاب میں سے چند کو اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا: جب کبھی لغت قرآن میں اختلاف ہو تو اسے لغت مصر کے مطابق لکھنا، کیونکہ قرآن لغت مصر کے ایک آدمی پر نازل ہوا ہے۔

۱۴۔ ابو قلابہ نے روایت کی ہے:

حضرت عثمانؓ کے دور خلافت میں کوئی معلم کسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھاتا تھا اور کوئی معلم کسی اور قرأت کے مطابق پڑھاتا تھا۔ اس کے نتیجے میں شاگردوں کی قرأتوں میں اختلاف ہو گیا۔ حتیٰ کہ یہ اختلاف معلمین میں بھی سرایت کر گیا اور بعض نے بعض کو کافر کہنا شروع کر دیا۔ اس کی اطلاع حضرت عثمانؓ کو ملی اور انہوں نے اپنے خطاب میں کہا: تم لوگ میرے پاس ہو اور اس کے باوجود قرأت قرآن میں اختلاف رکھتے ہو اور صحیح قرأت نہیں کرتے تو جو لوگ مجھ سے دور ہیں، ان کا اختلاف اور غلطیاں تو اس سے بھی زیادہ ہوں گی۔ اے اصحاب محمد (ص) فوراً جمع ہو جاؤ اور لوگوں کے لیے رہنما (قرآن) مرتب کر دو۔

Marfat.com

ابو قلابہ، مالک بن انس (ابوبکر بن داؤد کہتے ہیں کہ یہ مالک بن انس، مشہور مالک بن انس کا جد ہے) سے نقل کرتے ہیں:

میں ان افراد میں سے تھا جو کاتبوں کو قرآن کی املاء لکھواتے تھے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ جب کسی آیہ کے بارے میں اختلاف واقع ہوتا اور کسی ایسے آدمی کا نام لیا جاتا، جس نے اس آیہ کو رسول اللہ (ص) سے سنا ہو اور وہ موقع پر حاضر نہ ہوتا تو اس مختلف فیہ آیہ سے قبل اور بعد والی آیات لکھ دی جاتیں اور اختلافی آیت کے لیے جگہ چھوڑ دی جاتی۔ حتیٰ کہ وہ شخص، جس نے آیت رسول اللہ (ص) سے سنی ہوتی، آ جاتا یا پھر کسی آدمی کو اس شخص کے پیچھے بھیج دیا جاتا تھا تاکہ اسے بلا لائے اور اس کی رائے کے مطابق قرآن لکھا جائے۔ اس طرح قرآن کی کتاب اختتام تک پہنچی۔ حضرت عثمانؓ نے تمام شہروں کے لوگوں کو یہ پیغام بھیجا: میں نے اس کدوکاوش اور تحقیق سے قرآن لکھا ہے، اس کے علاوہ جو کچھ بھی ہمارے پاس تھا ضائع کر دیا ہے۔ لہٰذا اس مرتب شدہ قرآن کے علاوہ تمہارے پاس جو کچھ بھی ہو اسے ضائع کر دو۔

۱۵۔ مصعب بن سعد نقل کرتے ہیں:

ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ نے لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا: ابھی رسول اللہ (ص) کی وفات کو تیرہ برس سے زیادہ نہیں گزرے اور تم نے قرآن کے بارے میں اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے اور یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ابی بن کعب کی قرأت ایسی ہے اور عبد اللہ کی قرات ایسی ہے۔ ایک کہتا ہے تمہاری قرائت درست نہیں اور دوسرا کہتا ہے کہ تمہاری قرات درست نہیں۔ خدارا! تم میں سے جس کے پاس بھی قرآن کی کوئی آیت ہے وہ میرے پاس لے آئے تاکہ قرآن کی صحیح جمع آوری کی جا سکے۔ چنانچہ لوگوں نے کاغذ اور چمڑے کے ٹکڑوں، جن پر قرآن لکھا ہوا تھا، کو حضرت

Marfat.com

عثمانؓ کے پاس لانا شروع کر دیا اور اس طرح کافی مقدار میں قرآن جمع ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں میں سے، جو کاغذوں اور چمڑوں پر لکھا ہوا قرآن لائے تھے، ایک ایک کو اپنے پاس بلایا اور ہر ایک سے پوچھا کہ اس نے خود رسول اللہ (ص) سے اس آیت کو سنا ہے اور یہ آنحضرت (ص) نے ہی اسے لکھوائی ہے؟ لوگ اس کا جواب اثبات میں دیتے۔ اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے پوچھا تم میں سب سے اچھا کاتب کون ہے؟ جواب ملا: زید بن ثابت جو کاتب وحی بھی ہیں۔ پھر پوچھا: تم میں لغت عرب سے زیادہ آشنا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: سعید بن عاص ہے۔ حضرت عثمانؓ نے حکم دیا کہ سعید قرآن لکھواتا جائے اور زید بن ثابت لکھتا جائے۔ اس طرح کئی قرآن لکھے گئے اور لوگوں میں تقسیم کیے گئے۔

مصعب بن سعد کہتے ہیں:

میں نے بعض اصحاب پیغمبر (ص) کو یہ کہتے سنا ہے کہ بہت اچھا عمل انجام پایا ہے۔

۱۶۔ ابو الملیح نے روایت بیان کی ہے:

جب حضرت عثمانؓ نے قرآن لکھنا چاہا تو فرمایا: قبیلہ بنی ہذیل لکھوائے اور قبیلہ بنی ثقیف لکھے۔

۱۷۔ عبد الاعلیٰ بن عبد اللہ بن عبد اللہ بن عامر قرشی نے روایت بیان کی ہے:

جب قرآن مکمل طور پر لکھا گیا تو حضرت عثمانؓ نے کہا: یہ تم نے بہت اچھا کام انجام دیا ہے۔ تاہم ابھی قرآن میں کچھ غلطیاں دیکھ رہا ہوں، جنہیں عرب اہل زبان خود ہی درست کر لیں گے۔

۱۸۔ عکرمہ کہتے ہیں:

جب قرآن جمع کر کے حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو انہیں اس میں کچھ غلطیاں نظر آئیں اور انہوں نے کہا: اگر قرآن لکھوانے

Marfat.com

والا قبیلہ بنی ہذیل اور لکھنے والا قبیلہ بنی ثقیف سے ہوتا تو یہ غلطیاں نہ ہوتیں۔

۱۹۔ عطاء روایت بیان کرتے ہیں:

جب حضرت عثمانؓ قرآن کے نسخے مرتب کرنے لگے تو انہوں نے ابی بن کعب کو اپنے پاس بلایا۔ ابی بن کعب لکھواتا تھا اور زید بن ثابت لکھتا تھا۔ ان کے ساتھ سعید بن عاص بھی تھا جو تصحیح کرتا تھا۔ لہٰذا یہ قرآن ابی اور زید کی قرات کے مطابق ہے۔

۲۰۔ مجاہد نے روایت بیان کی ہے:

حضرت عثمانؓ نے ابی بن کعب کو قرآن لکھوانے، زید بن ثابت کو لکھنے اور سعید بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حرث کو تصحیح کرنے کا حکم دیا۔

۲۱۔ زید بن ثابت نے روایت کی ہے:

ہم قرآن لکھ چکے تو مجھے ایک آیت نہیں ملی جسے میں رسول اللہ (ص) سے سنا کرتا تھا۔ آخرکار یہ آیت مجھے خزیمہ بن ثابت کے پاس سے ملی اور وہ آیت یہ تھی: مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ ۖ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ ۖ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا ۝[1] خزیمہ کو ذوالشہادتین کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی شہادت دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دی تھی۔

۲۲۔ ابن اشتہ نے لیث بن سعد سے نقل کیا ہے:

سب سے پہلا انسان جس نے قرآن جمع کیا، حضرت ابوبکرؓ ہیں اور قرآن کے کاتب زید بن ثابت ہیں۔ زید کا طریقہ کار یہ تھا کہ لوگ زید بن ثابت کے پاس آتے، مگر جب تک دو گواہ کسی آیہ کے قرآن ہونے کے بارے میں شہادت نہ دیتے، زید اسے

---

[1] ۳۳: احزاب ۲۳

Marfat.com

نہ لکھتے اور سورہ برأت کا آخری حصہ ابی خزیمہ بن ثابت کے علاوہ کسی اور کے پاس نہیں مل سکا اور ابی خزیمہ کے پاس دو عادل گواہ نہ تھے، اس کے باوجود حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ابی خزیمہ جو کچھ کہتا ہے، اسے لکھ لو کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ نے اس کی شہادت کو دو آدمیوں کی شہادت قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے اس حکم کے مطابق سورہ برأت کے آخری حصے کو لکھا گیا۔ حضرت عمرؓ آیہ رجم لے کر آئے، مگر ہم (زید بن ثابت وغیرہ) نے نہیں لکھا، کیونکہ وہ اکیلے تھے اور دوسرا کوئی شاہد نہیں تھا۔[1]

یہ وہ عمدہ اور اہم روایات ہیں، جو جمع قرآن کے بارے میں نقل کی گئی ہیں۔ مگر یہ سب روایات احاد ہونے کے علاوہ، جو مفید یقین نہیں ہوتیں، کئی اعتبار سے قابل اعتراض بھی ہیں۔

ا۔ جمع قرآن کی احادیث میں تضاد

ان احادیث کا آپس میں تضاد ہے، اس لیے ان پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سوالات و جوابات کے ضمن میں ان روایات میں موجود تضادات کو بیان کیا جائے:

☆ قرآن کو مصحف کی صورت میں کب جمع کیا گیا: دوسری روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کو حضرت عثمانؓ کے زمانے میں جمع کیا گیا۔ پہلی، تیسری اور چوتھی روایت کی تصریح اور بعض دیگر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جمع کیا گیا اور ساتویں اور بارہویں روایت صراحتاً یہ کہتی ہے کہ قرآن حضرت عمرؓ کے زمانے میں جمع کیا گیا۔

☆ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جمع قرآن کی ذمہ داری کس نے لی؟: پہلی اور بائیسویں روایت یہ کہتی ہے کہ جمع قرآن کی ذمہ داری زید بن ثابت نے لی اور چوتھی روایت یہ کہتی ہے کہ اس کی مسؤلیت حضرت ابوبکرؓ نے ہی قبول کی تھی اور زید کے ذمے صرف اتنا تھا کہ

---

[1] الاتقان النوع ۱۸ ج ۱، ص ۱۰۱

Marfat.com

جمع شدہ قرآن پر نظر ثانی کرے۔ پانچویں روایت یہ کہتی ہے اور بعض دیگر روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے ذمہ دار زید بن ثابت اور حضرت عمرؓ دونوں تھے۔

☆ کیا جمع قرآن کا کام زید کے سپرد کیا گیا تھا؟: پہلی روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے اس کام کو زید کے سپرد کر دیا تھا، بلکہ پہلی روایت صراحتاً اس بات پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ قول: ''تم ایک عقلمند. قابل اعتماد اور سچے جوان ہو اور رسول اللہؐ کے زمانے میں وحی بھی لکھا کرتے تھے۔ آج بھی تم جمع قرآن کے اس عظیم عمل کو انجام دو۔'' واضح طور پر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے جمع قرآن کا کام زید کے ذمے لگایا تھا۔

پانچویں روایت کا مفہوم یہ ہے کہ دو شاہدوں کی شہادت سے قرآن کی کتابت ہو رہی تھی، یہاں تک کہ حضرت عمرؓ آیہ رجم لے کر آئے، مگر یہ ان سے قبول نہیں کی گئی.

☆ کیا حضرت عثمانؓ کے زمانے تک ایسی آیات باقی تھیں جن کی تدوین نہیں کی گئی؟: اکثر روایات سے یہی ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ان کی تصریح یہی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے سے مدون قرآن میں کوئی کمی نہیں کی اور چودھویں روایت صراحتاً یہ کہتی ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پہلے سے مدون قرآن میں سے کچھ گھٹا دیا تھا اور مسلمانوں کو بھی اسے مٹانے کا حکم دیا تھا۔

☆ جمع قرآن میں حضرت عثمانؓ کا ماخذ و مدرک کیا تھا؟: دوسری اور چوتھی روایت تصریح کرتی ہے کہ جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت عثمانؓ کا مدرک وہ قرآن تھے، جنہیں حضرت ابوبکرؓ نے جمع کیا تھا اور آٹھویں، چودھویں اور پندرہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کا مدرک دو گواہوں کی شہادت اور ان کا یہ قول تھا کہ انہوں نے خود رسول اللہ (ص) سے قرآن سنا ہے۔

☆ حضرت ابوبکرؓ سے جمع قرآن کا مطالبہ کس نے کیا؟: پہلی روایت یہ کہتی ہے کہ جمع قرآن کا مطالبہ حضرت عمرؓ نے کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے پہلے انکار کیا، لیکن حضرت عمرؓ کے اصرار پر وہ اس پر آمادہ ہو گئے اور زید بن ثابت کو اپنے پاس بلوا کر اس سے جمع قرآن کا مطالبہ کیا۔ زید نے بھی پہلے انکار کیا اور پھر حضرت ابوبکرؓ کے اصرار پر آمادگی ظاہر کی۔ دسویں روایت یہ کہتی ہے کہ زید اور حضرت عمرؓ نے حضرت

Marfat.com

ابوبکرؓ سے جمع قرآن کا مطالبہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے دوسرے مسلمانوں سے مشورہ کے بعد اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔

☆ قرآن جمع کر کے اس کے نسخے دوسرے شہروں میں کس نے بھیجے؟: دوسری روایت کی تصریح یہ ہے کہ یہ عمل حضرت عثمانؓ نے انجام دیا تھا اور بارہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ یہ عمل حضرت عمرؓ نے انجام دیا۔

☆ دو آیتوں کو سورہ برائت کے آخر میں کب ملایا گیا؟: پہلی، گیارہویں اور بائیسویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ ان دو آیتوں کو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں سورہ برأت سے ملایا گیا۔ آٹھویں روایت یہ تصریح کرتی ہے اور بعض دوسری روایات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کام حضرت عمرؓ کے دور میں انجام پایا تھا۔

☆ ان دو آیتوں کو کس نے پیش کیا؟: پہلی اور بائیسویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ ابوخزیمہ نے ان آیتوں کو پیش کیا۔ آٹھویں اور گیارہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ خزیمہ بن ثابت نے ان آیتوں کو پیش کیا تھا اور ان دونوں (ابوخزیمہ اور خزیمہ بن ثابت) میں کوئی نسبت نہیں ہے۔ چنانچہ ابن عبد البر نے یونہی نقل کیا ہے۔[1]

☆ یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ دونوں آیتیں قرآن کا حصہ ہیں؟: پہلی روایت سے یہ ظاہر ہوتا ہے اور نویں اور بائیسویں روایت کی تصریح بھی یہی ہے کہ ایک آدمی کی شہادت سے ان کا قرآن ہونا ثابت ہوا۔ آٹھویں روایت کے مطابق ایک آدمی کے علاوہ حضرت عثمانؓ کی گواہی سے یہ ثابت کیا گیا اور گیارہویں روایت کی تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ اور دوسرے آدمی کی گواہی سے اس کا قرآن ہونا ثابت ہوا۔

☆ قرآن کی کتابت اور املاء کے لیے حضرت عثمانؓ نے کس کا تقرر کیا؟ دوسری روایت کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے زید، ابن زبیر، سعید اور عبد الرحمٰن کو کتابت کا حکم دیا اور پندرہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے کتابت کے لیے زید بن ثابت کو اور املاء کے لیے سعید کو مقرر کیا۔ سولہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے

---

[1] تفسیر قرطبی ا۔ ۵۶

Marfat.com

کتابت کے لیے ثقیف کو اور املاء کے لیے ہذیل کو معین کیا۔ اٹھارہویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ کاتب قرآن کا تعلق بنی ثقیف سے نہیں تھا اور نہ املاء لکھوانے والے کا تعلق بنی ہذیل سے تھا۔ انیسویں روایت کی تصریح یہ ہے کہ لکھوانے والا ابی بن کعب تھا اور زید جو کچھ لکھتے تھے، سعید اس کی تصحیح کرتے تھے اور بیسویں روایت کا مفہوم بھی یہی ہے۔ البتہ اس میں تصحیح کرنے والے کا نام عبدالرحمن بن حرث ہے۔

۲۔ روایات جمع قرآن میں تضادات

یہ روایات ان روایات سے متضاد ہیں جن کے مطابق قرآن کریم، رسول اللہ (ص) کے زمانے میں ہی لکھا اور جمع کیا گیا تھا۔ چنانچہ علماء کی ایک جماعت، جن میں ابن شیبہ، احمد بن حنبل، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم، بیہقی اور ضیاء مقدسی شامل ہیں، ابن عباس سے روایت کرتی ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ سے کہا:

> آپ نے کس وجہ سے سورہ انفال کو، جو مثانی[۱] میں سے ہے، سورہ برائت کے ساتھ رکھ دیا ہے، جو مئین[۲] میں سے ہے اور ان دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ الرحمن الرحیم کو ذکر نہیں کیا اور ان دونوں سورتوں کو قرآن کی سات طویل سورتوں کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ حضرت عثمانؓ نے جواب دیا: بعض اوقات جب رسول اللہ (ص) پر متعدد آیات پر مشتمل سورے نازل ہوتے تو آپ (ص) کاتبین وحی کو اپنے پاس بلا لیتے اور ان سے فرماتے: اس سورے کو فلاں سورے کے ساتھ رکھو اور کبھی کبھی جب آپ (ص) پر متعدد آیتیں نازل ہوتیں تو آپ (ص) فرماتے: ان آیات کو فلاں سورے میں شامل کر لو حضرت عثمانؓ کہتے ہیں: سورہ انفال وہ پہلا سورہ ہے جو مدینہ میں نازل ہوا اور سورہ برائت قرآن کا وہ سورہ ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوا۔ اس کے علاوہ ان دونوں کے قصے اور واقعات ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔

---

[۱] وہ سورتیں جن کی آیات ایک سو سے کم ہوں (مترجم)

[۲] وہ سورتیں جن کی آیات ایک سو یا اس سے زیادہ ہوں (مترجم)

Marfat.com

اس سے میں یہی سمجھا کہ برأت انفال کا حصہ ہے اور رسول اللہ (ص) نے بھی اپنی وفات سے پہلے یہ بیان نہیں فرمایا کہ برأت انفال کا حصہ ہے کہ نہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر میں نے انفال اور برأت کو ملا دیا اور ان دونوں کے درمیان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور انہیں قرآن کی سات طویل سورتوں میں شامل کرلیا۔[1]

طبرانی اور ابن عساکر، شعبی سے روایت بیان کرتے ہیں:

رسول اللہ (ص) کے زمانے میں قرآن کو انصار کے چھ آدمیوں نے جمع کیا۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت، معاذ بن جبل، ابودرداء، سعد بن عبید اور ابوزید۔ مجمع بن جاریہ نے بھی دو یا تین سورتوں کے علاوہ باقی قرآن کو جمع کیا تھا۔[2]

قتادہ کی روایت ہے، وہ کہتے ہیں:

میں نے انس بن مالک سے پوچھا: رسول اللہ (ص) کے زمانے میں قرآن کس نے جمع کیا؟ اس نے جواب دیا: قرآن کو چار آدمیوں نے جمع کیا اور ان سب کا تعلق انصار سے تھا جو یہ ہیں: ابی بن کعب، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید۔[3]

مسروق کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن مسعود کا ذکر کیا اور کہا:

میرے دل میں ہمیشہ اس کی محبت رہتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا: تم لوگ قرآن، چار آدمیوں، عبداللہ بن مسعود، سالم، معاذ اور ابی بن کعب سے حاصل کرو۔[4]

نسائی نے صحیح سند کے ذریعے عبداللہ ابن عمر سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے کہا:

میں نے قرآن جمع کیا اور ہر رات پورا قرآن ختم کرتا تھا، جب

---

[1] منتخب کنزالعمال ۲: ۴۸ [2] حوالہ سابق ۲: ۵۲

[3] صحیح بخاری، باب القراء من اصحاب النبی (ص) ۶: ۲۰۲

[4] صحیح بخاری، باب القراء من اصحاب النبی (ص) ۶: ۲۰۲

Marfat.com

رسول اللہ (ص) کو یہ خبر ملی تو آپ (ص) نے فرمایا: قرآن مہینے میں ختم کیا کرو۔[1]

ابن سعد کی وہ روایت بھی عنقریب بیان ہوگی، جس کے مطابق ام ورقہ نے بھی قرآن جمع کیا تھا۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ان روایات میں جمع قرآن سے مراد سینوں میں قرآن کا جمع کرنا ہو اور کتابی شکل میں مدون قرآن مراد نہ ہو۔ لیکن یہ صرف ایک دعویٰ ہوگا، جس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ جیسا کہ آئندہ بحثوں میں ثابت ہوگا کہ رسول اللہ (ص) کے زمانے میں حافظان قرآن کی تعداد اتنی تھی، بھلا ان کو چار یا چھ میں کیونکر محدود کیا جا سکتا ہے۔

جو شخص صحابہ کرام اور آپ (ص) کے حالات کا بنظر غائر مطالعہ کرے اسے یہ علم اور یقین حاصل ہو جائے گا کہ قرآن مجید عہد رسول اللہ (ص) میں ہی جمع کر دیا گیا تھا اور یہ کہ قرآن کو جمع کرنے والوں کی تعداد بھی کوئی کم نہیں تھی۔

باقی رہی بخاری کی وہ روایت جو انس سے نقل کی گئی ہے اور جس میں بیان کیا گیا ہے کہ رسول اللہ (ص) کی وفات تک چار آدمیوں ابو درداء، معاذ بن جبل، زید بن ثابت اور ابوزید کے علاوہ کسی اور نے قرآن کو جمع کرنے کی سعادت حاصل نہیں کی، یہ روایت متروک اور ناقابل عمل ہے۔ اس لیے کہ یہ ان تمام گزشتہ روایات، بلکہ خود بخاری کی روایت سے بھی متعارض ہے۔ اس کے علاوہ یہ روایت خود بھی قابل تصدیق نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی راوی رسول اللہ (ص) کی وفات کے موقع پر کثیر تعداد میں اور مختلف شہروں میں منتشر مسلمانوں کا احاطہ اور ان کے حالات معلوم کر سکے، تاکہ اس طرح قرآن کو جمع کرنے والے افراد چار میں منحصر ہو جائیں۔ یہ دعویٰ تو غیب گوئی اور بغیر علم و یقین کے نظریہ قائم کرنے کے مترادف ہے۔

اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ ان تمام روایات کی موجودگی میں اس قول کی تصدیق ممکن نہیں کہ حضرت ابوبکرؓ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے خلافت سنبھالنے کے بعد قرآن جمع کیا تھا۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر حضرت ابوبکرؓ نے عمرؓ اور زید کو یہ حکم کیوں

---

[1] الاتقان النوع ۲۰، ج ۱، ص ۱۲۴

Marfat.com

دیا کہ وہ سفید پتھروں، کھجور کی چھالوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآن جمع کریں اور یہ کہ اس قرآن کو عبد اللہ، معاذ اور ابی سے کیوں حاصل نہیں کیا؟! جب کہ یہ حضرات جمع قرآن کے وقت زندہ تھے اور رسول اللہ (ص) نے ان سے اور سالم سے قرآن حاصل کرنے کا حکم بھی دیا تھا۔ البتہ اس وقت سالم جنگ یمامہ میں قتل کر دیے گئے تھے اور اس سے قرآن حاصل کرنا ممکن نہیں تھا۔

اس کے علاوہ اس روایت کے مطابق زید خود منجملہ جامعین قرآن میں سے تھا، پھر اسے جمع قرآن کے سلسلے میں ادھر ادھر تلاش کرنے کی کیا ضرورت تھی، جب کہ حضرت ابوبکرؓ کے قول کے مطابق یہ ایک عقلمند اور پاکدامن نوجوان تھا۔

ان سب کے علاوہ حدیث ثقلین بھی اس امر کا واضح ثبوت ہے کہ قرآن رسول اللہ (ص) کے زمانے میں ہی جمع کر لیا گیا تھا۔ چنانچہ ہم آگے چل کر اس کی طرف اشارہ کریں گے۔

۳۔ احادیث جمع قرآن، کتاب الٰہی سے متعارض ہیں

جمع قرآن سے متعلق بیان شدہ تمام روایات قرآن کریم سے متعارض ہیں، کیونکہ بہت سی آیات کے مطابق قرآن کے سورے ایک دوسرے سے جدا سب لوگوں، حتیٰ کہ مشرکین اور اہل کتاب کے پاس موجود تھے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اسلام (ص) نے کفار اور مشرکین کو قرآن کی مثل، دس سورتوں حتیٰ کہ ایک سورہ کی نظیر لانے کا چیلنج کیا تھا۔ اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ قرآن کے سورے لوگوں کے ہاتھ میں موجود تھے، ورنہ ان کی نظیر لانے کا چیلنج بے معنی ہوتا۔

اس کے علاوہ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں قرآن پر کتاب کا اطلاق کیا گیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ کے فرمان: انی تارك فیکم ثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی میں بھی قرآن کریم کو کتاب سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ قرآن مجید جناب نبی کریم (ص) کے زمانے میں ہی مکمل طور پر لکھا جا چکا تھا۔ اس لیے کہ قرآن کے ان مضامین کو کتاب کہنا ہرگز صحیح نہیں ہے، جو لوگوں کے سینوں میں ہوں اور نہ اس کو حقیقتاً کتاب کہا جا سکتا ہے جو

Marfat.com

باریک پتھروں، کھجور کی ٹہنیوں اور ہڈیوں پر لکھا ہوا ہو۔ ہاں مجازی طور پر اسے کتاب کہا جا سکتا ہے، لیکن یہ اس صورت میں صحیح ہوگا، جب کلام میں معنی مجازی پر کوئی قرینہ موجود ہو۔

یہی حیثیت لفظ کتاب کی ہے، کیونکہ حقیقی طور پر کتاب، مضامین کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ اگر یہی مضامین مختلف حصوں میں لکھے اور بکھرے ہوئے ہوں تو انہیں کتاب نہیں کہا جائے گا، چہ جائیکہ ان مضامین کو کتاب کہا جائے جو ابھی تحریر میں بھی نہیں لائے گئے اور صرف لوگوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

۴۔ احادیث جمع قرآن حکم عقل کے خلاف ہیں

جمع قرآن سے متعلق جو روایات بیان کی گئی ہیں وہ حکم عقل کے خلاف ہیں۔ کیونکہ بذات خود قرآن کی عظمت، حفظ قرآن اور قرأت قرآن کو رسول اللہ (ص) کا اہمیت دینا، رسول اللہ (ص) جس چیز کو اہمیت دیتے تھے مسلمانوں کا اس کو دل و جان سے قبول کرنا اور اہمیت دینا اور ان تمام اعمال کا بیان شدہ ثواب، جمع قرآن کے اس طریقہ کار سے سازگار نہیں، جس کا روایت میں ذکر ہے۔

قرآن مجید میں کئی ایسے پہلو ہیں جن کی بنیاد پر مسلمانوں کی نگاہ میں قرآن اہمیت کا حامل بن سکتا ہے اور مرد تو بجائے خود یہ عورتوں اور بچوں میں بھی مشہور ہو سکتا ہے اور وہ پہلو یہ ہیں:

i۔ **قرآن کی فصاحت و بلاغت:** عرب کلام بلیغ کے حفظ کرنے کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ اسی وجہ سے وہ زمانہ جاہلیت کے اشعار اور خطبوں کو یاد کر لیتے تھے۔ ایسے عرب، کلام پاک کو اہمیت کیوں نہ دیتے جس کے چیلنج کا جواب کوئی فصیح و بلیغ شخص اور خطیب بھی نہیں دے سکا۔ اس وقت تمام دنیائے عرب کی توجہ قرآن کی طرف مرکوز تھی۔ مؤمنین اسے اس لیے حفظ کرتے تھے کہ ان کا اس پر ایمان تھا اور غیر مسلم اس کا مقابلہ کرنے اور اس کی حجیت کو باطل ثابت کرنے کے لیے اسے حفظ کرتے تھے۔

ii۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ جن کی اس وقت کرۂ ارض کے ایک عظیم خطے پر حکومت تھی اس خواہش کا اظہار کر چکے تھے کہ حتی المقدور قرآن کا تحفظ اور اسے حفظ کیا

Marfat.com

جائے اور انسانی عادت وطبیعت کا یہ تقاضا ہے کہ جب کوئی سربراہِ مملکت کسی کتاب کے تحفظ اور پڑھنے کی خواہش ظاہر کرے تو یہ کتاب ان لوگوں میں فوراً رائج ہو جاتی ہے، جو کسی دینی یا دنیوی مفاد کی خاطر اس سربراہ کی خوشنودی چاہتے ہوں۔

iii۔ حافظ قرآن کو لوگوں میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور ہر تاریخ دان بخوبی جانتا ہے کہ اس دور میں حافظان اور قاریان قرآن کا کتنا احترام کیا جاتا تھا۔ یہ خود ایک اہم سبب ہے کہ اس مقصد کے لیے لوگوں نے سارے کا سارا یا مقدور بھر قرآن ضرور حفظ کیا ہوگا۔

iv۔ حفظ اور قرأت قرآن کا اجر و ثواب، جس کا قاری اور حافظ قرآن مستحق قرار پایا ہے، ایک اہم عامل ہے جو لوگوں میں قرآن کو یاد کرنے اور اس کے تحفظ کا شوق پیدا کر سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان عظمت قرآن کو بہت زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ قرآن کو اپنی جان و مال اور اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے اور اس کی حفاظت کرتے تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ کچھ عورتوں نے سارے کا سارا قرآن جمع کر لیا تھا۔

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

> فضل بن دکین نے ہمیں خبر دی کہ ولید بن عبد اللہ بن جمیع نے حدیث بیان کی: میری نانی ام ورقہ بنت عبد اللہ بن حارث، جس کی زیارت کے لیے رسول اللہ (ص) جایا کرتے اور اسے شہیدہ کا نام دیتے تھے اور اس نے سارا قرآن جمع کر لیا تھا، نے حدیث بیان کی: جب رسول اللہ (ص) جنگ بدر کے لیے روانہ ہوئے تو میں نے آپ (ص) سے عرض کیا: یا رسول اللہ (ص)! اگر اجازت ہو تو میں بھی آپ (ص) کے ساتھ چلوں اور جنگی زخمیوں کا علاج اور تیمارداری کروں، شاید اللہ تعالیٰ مجھے شہادت نصیب فرمائے؟ آپ (ص) نے فرمایا: خدا نے شہادت تمہاری قسمت میں لکھ دی ہے۔[1]

قرآن جمع کرنے کے معاملے میں جب عورتوں کا یہ حال ہے تو مردوں کا کیا

---

[1] الاتقان النوع ۲۰۔ ۱: ۱۲۵

Marfat.com

عاں ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ عہد رسول اللہ (ص) کے بہت سے حافظان قرآن [illegible]
تاریخ میں درج ہیں۔

قرطبی لکھتے ہیں:

جنگ یمامہ کے دن ستر قاری شہید کر دیے گئے اور عہد نبی اکرم
(ص) میں بئر معونہ کے مقام پر بھی اتنے ہی قاری شہید کیے
گئے۔

جمع قرآن سے متعلق گزشتہ صفحات میں پیش [illegible]
جنگ یمامہ کے دن چار سو قاری شہید کیے گئے۔

بہرحال نبی اکرم (ص) کے قرآن مجید کو [illegible]
متعدد کاتبوں کا اہتمام کرنے سے، جیسا کہ قرآن مجید [illegible]
ہو سکے ہمیں یقین حاصل ہو جاتا ہے کہ آپ (ص) [illegible]
[illegible] دیا تھا۔

زید بن ثابت روایت کرتے ہیں:

ہم رسول اللہ (ص) کے پاس بیٹھ کر ٹکڑوں سے [illegible]
کرتے تھے۔

حاکم اس حدیث کے ذیل میں فرماتے ہیں:

یہ حدیث شیخین (بخاری و مسلم) کی شرطوں کی بنیاد پر صحیح ہے [illegible]
انہوں نے اسے اپنی کتاب میں نقل نہیں کیا۔

اس کے بعد فرماتے ہیں:

یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرآن مجید رسول اللہ
(ص) کے زمانے میں ہی جمع کر لیا گیا تھا۔[2]

جہاں تک قرآن کے بعض سوروں یا ایک سورہ کے کچھ حصوں [illegible]
ان کو حفظ کرنا تو عام بات تھی اور شاید ہی کوئی مسلمان مرد یا عورت ہو [illegible]

---

[1] [illegible] ۲۰۔ ص ۱۲۲۔ قرطبی اپنی تفسیر ج ۱ ص ۵۰ میں لکھتے ہیں [illegible] جنگ یمامہ کے دن
سات سو قاری شہید کیے گئے۔

[2] مستدرک ۲: ۶۱۱

Marfat.com

سورتیں یا ایک سورہ کے کچھ حصے یاد نہ کیے ہوں۔

عبادہ بن صامت روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللّٰہ۔ ص۔ یشغل، فاذا قدم رجل مهاجر علی رسول اللّٰہ۔ ص۔ دفعه الی رجل منا یعلمه القرآن۔ [1]

بعض اوقات رسول اللہ (ص) کسی کام میں مصروف ہوتے اور مہاجرین میں سے کوئی آپ (ص) کی خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ (ص) اسے ہم میں سے کسی کے حوالے کر دیتے جو اسے قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔

کلیب نے روایت کی ہے:

کنت مع علی ۔ع ۔ فسمع ضجتهم فی المسجد القرآن، فقال: طوبی لهولاء ... [2]

میں علی علیہ السلام کے ہمراہ تھا، جب آپ (ع) نے لوگوں کی قرأت قرآن کا شور سنا تو فرمایا: ان لوگوں کو بشارت ہو جو قرأتِ کلام پاک میں مصروف ہیں۔

نیز عبادہ بن صامت سے روایت ہے:

کان الرجل اذا هاجر دفعه النبی ۔ص۔ الی رجل منا یعلمه القرآن، و کان یسمع (لمسجد) رسول اللّٰہ ۔ص۔ ضجة بتلاوة القرآن، حتی أمرهم رسول اللّٰہ أن یخفضوا أصواتهم لئلا یتغالطوا۔ [3]

جب کوئی نیا مہاجر مدینے آتا تو نبی اکرم (ص) اسے ہم میں سے کسی کے حوالے کر دیتے جو اسے قرآن کی تعلیم دیتا تھا۔ اس وقت مسجد نبوی (ص) سے قرأتِ قرآن کا ایک شور بلند ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ نبی اکرم (ص) کو کہنا پڑا کہ اپنی آوازوں کو آہستہ کریں، کہیں شور میں قرآن غلط نہ پڑھا جائے۔

---

[1] مسند احمد ۵: ۳۲۴
[2] کنز العمال، فضائل القرآن۔ طبع ثانی ۲: ص ۱۸۵
[3] مناهل العرفان ص ۳۲۴

Marfat.com

یہ حقیقت ہے کہ حفظِ قرآن، اگرچہ قرآن کے بعض حصے سہی، کا رواج مسلمان مرد اور عورتوں میں عام تھا، بلکہ بعض اوقات تو کچھ مسلمان عورتیں قرآن کی ایک یا متعدد سورتوں کی تعلیم کو اپنا مہر قرار دیتیں۔[1] قرآن کو اتنی زیادہ اہمیت دینے کے باوجود یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ قرآن کی جمع آوری میں خلافت ابوبکرؓ تک تاخیر ہوئی اور جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ کو دو گواہوں کی ضرورت محسوس ہوئی جو یہ شہادت دیں کہ ہم نے اس سورہ یا آیہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ سے سنا ہے۔

۵۔ احادیث

جمع قرآن خلاف اجماع ہیں

یہ سب روایات تمام مسلمانوں کے اس اتفاقی اور اجماعی فیصلے کے خلاف ہیں کہ قرآن صرف تواتر کے ذریعے ثابت ہو سکتا ہے، کیونکہ ان روایات کے مطابق قرآن دو شاہدوں یا ایک ایسے شاہد جس کی گواہی دو کے برابر ہو، کی شہادت سے ثابت کیا جاتا تھا۔ اس طریقے کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن خبر واحد کے ذریعے بھی ثابت ہو۔ انصاف سے بتایئے! کوئی مسلمان یہ بات ماننے کے لیے تیار ہے؟ میں نہیں سمجھ سکا کہ دونوں قول کیسے جمع ہو سکتے ہیں کہ قرآن خبر متواتر کے بغیر ثابت نہ ہو سکے اور یہ روایات بھی صحیح ہوں جن کے مطابق قرآن دو شاہدوں کی شہادت سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

کیا اس بات کے یقین سے کہ قرآن خبر متواتر کے بغیر ثابت نہیں ہوتا، اس بات کا یقین حاصل نہیں ہوتا کہ یہ ساری کی ساری روایات جھوٹی اور من گھڑت ہیں؟

تعجب تو اس پر ہے کہ ابن حجر جیسے بعض دانشمندوں نے فرمایا ہے کہ ان روایات میں شہادت سے مراد کتابت اور حفظ کرنا ہے۔[2] میرے خیال میں جس وجہ سے ابن حجر نے یہ توجیہ کی ہے، وہ ثبوت قرآن کے لیے تواتر کا ضروری ہونا ہے۔ بہرحال یہ توجیہ کئی جہات سے صحیح نہیں ہے:

اولاً: یہ توجیہ جمع قرآن سے متعلق مذکورہ روایات کی تصریحات کے خلاف ہے۔

ثانیاً: اس توجیہ کا لازمہ یہ ہے کہ جب تک یہ کسی کے پاس لکھا ہوا نہ ملے وہ

---

[1] اس حدیث کو شیخان (بخاری و مسلم) ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے بیان کیا ہے۔ تاج ۲ ص ۳۳۲

[2] الاتقان ج ۱ ص ۱۰۰

Marfat.com

اسے قرآن میں شامل نہیں کرتے تھے، جس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے اس کو ساقط (ترک) کر دیا جس کا قرآن ہونا تواتر سے ثابت ہو۔

ثالثاً: جس بات کو لکھنا یا حفظ کرنا مقصود ہو، اگر وہ متواترات میں سے ہو تو اسے لکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور جب تک متواتر نہ ہو، کتابت اور حفظ کرنے سے قرآن ثابت نہیں ہوتا۔ بہرحال کتابت اور حفظ کو جمع قرآن کی شرط قرار دینے کا کوئی فائدہ نہیں۔

خلاصہ کلام یہ کہ ان روایات کو مسترد کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ روایات تواتر کے بغیر بھی قرآن کے ثابت ہونے پر دلالت کرتی ہیں، جس کے باطل ہونے پر تمام مسلمانوں کا اجماع ہے۔

۶۔ احادیث

جمع قرآن اور قرآن میں زیادتی

اگر یہ روایات صحیح ہوں اور ان کے ذریعے قرآن میں کمی کی صورت میں تحریف پر استدلال کیا جائے تو انہی روایات کے ذریعے قرآن میں زیادتی کی صورت میں تحریف پر بھی استدلال کیا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان روایات میں جمع قرآن کی جو کیفیت اور طریقہ بتایا گیا ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ قرآن میں کچھ نہ کچھ اضافہ کر دیا گیا ہو۔

اعتراض: قرآن میں زیادتی کو اس میں نقص اور کمی پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قرآن کی کسی آیہ یا سورہ کو قرآن سے نکال لینا آسان ہے، لیکن قرآن میں کسی آیہ کا اضافہ کرنا مشکل ہے۔ اس لیے کہ قرآن میں اعجاز کی حد تک فصاحت و بلاغت پائی جاتی ہے اور اس کے پایہ کا کلام بنا کر اسے قرآن میں شامل کرنا، ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

جواب: اگرچہ قرآن کے اعجاز اور اس کی بلاغت کا تقاضا یہ ہے کہ ایک سورہ کی مثل و نظیر نہ لائی جا سکے، لیکن ایک دو کلموں کی مثل و نظیر تو لائی جا سکتی ہے، بلکہ اگر مختصر ہو تو ایک آیہ کی مثل بھی لائی جا سکتی ہے اور اگر یہ احتمال نہ ہوتا تو قرآن ثابت

Marfat.com

کرنے کے لیے دو شاہدوں کی گواہی کی ضرورت نہ پڑتی، جس کا گزشتہ روایت میں ذکر ہوا ہے۔ اس لیے کہ جو آیت بھی کسی کی طرف سے پیش کی جاتی، وہ خود منہ بوتا ثبوت ہوتی کہ میں قرآن سے ہوں کہ نہیں۔

بنا بر ایں جو قرآن میں کمی کی صورت میں تحریف کا قائل ہے، اسے لامحالہ ماننا پڑے گا کہ قرآن میں زیادتی بھی ہوئی ہے اور یہ اجماع مسلمین کے خلاف ہے۔

گزشتہ مباحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ جمع قرآن کو خلفاء کی طرف نسبت دینا محض خیال خام ہے، جو کتاب و سنت، عقل اور اجماع کے خلاف ہے۔

تحریف کو ثابت کرنے کے لیے جمع قرآن کے ذریعے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ بفرض تسلیم اگر قرآن کو حضرت ابوبکرؓ نے اپنے دور خلافت میں جمع کیا ہو، پھر بھی اس میں شک نہیں کہ جمع قرآن کا جو طریقہ گزشتہ بیان کی گئی روایات میں ذکر کیا گیا ہے، جھوٹ ہے اور حق یہ ہے کہ قرآن کو مسلمانوں میں تواتر کی بنیاد پر جمع کیا گیا تھا۔ بہتہ جو سورے اور آیات لوگوں کے سینوں میں بطور تواتر موجود تھیں، جمع کرنے والے نے قرآن کی صورت میں ان کی تدوین کی ہے۔

ہاں! یہ مسلم ہے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے دور خلافت میں قرآن جمع کیا ہے لیکن حضرت عثمانؓ اس معنی میں جامع قرآن نہیں ہیں کہ انہوں نے سوروں اور آیتوں کو بذات خود جمع کیا ہو، بلکہ اس معنی میں جامع قرآن ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کو ایک ہی قرأت پر متفق کیا اور باقی قرآنوں کو جو اس قرأت سے مختلف تھے، جلا دیا اور دوسرے شہروں میں یہ حکم نامہ بھیجا کہ اس نسخے کے علاوہ باقی نسخے جلا دیے جائیں اور مسلمانوں کو قرأت میں اختلاف کرنے سے روک دیا۔ چنانچہ اس حقیقت کی تصریح بعض دانشمندان اہل سنت نے بھی کی ہے۔

حارث محاسبی کہتے ہیں:

> عام لوگوں میں مشہور ہے کہ قرآن حضرت عثمانؓ نے جمع کیا ہے، حالانکہ حقیقت یہ نہیں ہے۔ حضرت عثمانؓ نے صرف لوگوں کو اس ایک قرأت پر آمادہ اور متفق کیا تھا جسے حروف قراءات میں اہل عراق و شام کے اختلاف کے وقت حضرت عثمانؓ اور کچھ مہاجرین

Marfat.com

و انصار نے اختیار کیا تھا اور اس سے قبل قرآن حروف ہفتگانہ،
جن میں قرآن نازل ہوا تھا، کے مطابق پڑھا جاتا تھا۔[1]

مؤلف: جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کو اس ایک قرأت پر متفق کیا جو مسلمانوں میں مشہور تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ سے بطور تواتر انہوں نے سنی تھی اور ان قراءات پر پابندی لگا دی، جو حروف ہفتگانہ کی بنیاد پر پڑھی جاتی تھیں، جن کا بطلان گزشتہ مباحث میں بیان ہو چکا ہے، حضرت عثمانؓ کے اس کارنامے پر کسی مسلمان کو اعتراض نہیں۔ کیونکہ قرأت میں اختلاف مسلمانوں میں اختلاف کا باعث بن رہا تھا اور ان کا شیرازہ بکھر رہا تھا، بلکہ اس اختلاف کی وجہ سے بعض مسلمان بعض کو کافر قرار دے رہے تھے۔ گزشتہ مباحث میں ایسی روایات گزر چکی ہیں جن میں رسول اللہ (ص) نے قرأت میں اختلاف سے منع فرمایا ہے۔ ہاں! حضرت عثمانؓ کے جس عمل پر مسلمان اعتراض کرتے ہیں، وہ ان کا قرآن کے باقی نسخوں کو جلانا اور مختلف شہروں میں جلانے کا حکم دینا ہے۔ اس عمل پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے اعتراض کیا تھا اور حضرت عثمان کا نام حراق المصاحف (قرآن سوز) رکھ دیا تھا۔

نتیجہ

ان گزشتہ مباحث سے قارئین محترم کے سامنے واضح ہو گیا کہ تحریف قرآن کی باتیں خرافات اور بیہودہ خیالات ہیں۔ اس قسم کی باتیں ضعیف العقل کر سکتے ہیں یا وہ لوگ کر سکتے ہیں جو اس مسئلہ میں کماحقہ' غور نہیں کرتے یا تحریف کا قائل وہ ہوگا جو اس نظریے پر فریفتہ ہو۔ ظاہر ہے کسی بھی چیز کی محبت انسان کو اندھا اور بہرا کر دیتی ہے اور وہ نہ حق کی بات کر سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص عقلمند، منصف مزاج اور متفکر ہوگا، وہ اس نظریہ کے باطل ہونے میں شک نہیں کر سکتا۔

☆☆☆☆☆☆

---

[1] الاتقان نوع ۱۸، ۱:۱۰۳

Marfat.com

تحریف قرآن

ایک باطل نظریہ

و

جمع قرآن

حصہ دوم

مقدمہ قرآن مجید سے اقتباس

از

محسن علی نجفی

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دشمنانِ اسلام نے قدیم زمانے سے اپنی سازشیں اس بات پر مرکوز رکھیں کہ قرآن کو مخدوش اور متنازعہ بنائیں۔ بدقسمتی سے خود امت قرآن کے بعض افراد بھی فرقہ وارانہ تعصب کے باعث اس پروپیگنڈے کو ہوا دینے میں دشمنوں کے ہمدوش ہو گئے کہ فلاں فرقہ تحریف قرآن کا قائل ہے۔ یہ نادان اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ اس الزام سے قرآن کو مشکوک بنا رہے ہیں۔ نظریاتی مخالفین سے عناد اور جاہلانہ تعصب کی وجہ سے ان کے فہم و ادراک کی صلاحیت ماند پڑ جاتی ہے۔ حتی کہ اگر ہمارے سارے علماء کا اجماعی موقف بیان کریں کہ ہمارے نزدیک تحریف قرآن کا نظریہ سراسر باطل فرسودہ اور شواذ میں شامل ہے اور ایسے شواذ کسی مسلک و مذہب میں قابل اعتنا نہیں ہوتے پھر بھی یہ لوگ نہیں مانتے۔ حالانکہ امانت و دیانت کا کوئی شائبہ ہوتا تو اس حد تک تہمت تراشی اور کذب و افترا کا ارتکاب نہ کرتے اور کچھ خوف خدا کرتے۔

ہم ذیل میں اس موضوع سے متعلق کچھ بیان کرنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ بعض باتوں کا تذکرہ خود ہم پر بھی گراں گزرتا ہے لیکن ایک موقف کو ذہن نشین کرانے کے لیے کبھی مخاطب کو خود اس کے اپنے حالات کی روشنی میں سمجھانا پڑتا ہے۔ ہم ان حضرات سے معذرت چاہتے ہیں جو اس تنگ نظری اور بد دیانتی و خیانت کے مرتکب نہیں ہیں۔

روایت اور نظریہ: کسی مکتب فکر کی کتب میں روایات کا موجود ہونا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ وہ مکتب فکر ان روایات کے مطابق نظریہ قائم کرتا ہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ ایک مکتب فکر کے علمائے سلف نے ایک نظریہ قائم کیا ہو، لیکن بعد کے علماء اس نظریے پر قائم نہ رہے ہوں۔ اس صورت میں کیا انصاف و دیانت کا تقاضا، کیا یہ ہے کہ اس مکتب فکر کو ان کے علمائے سلف کے نظریے کا ذمہ دار ٹھہرایا جائے یا موجودہ موقف کو

Marfat.com

قبول کیا جائے؟

نظریہ تجسیم: اللہ تعالیٰ کے جسم اور جسمانی ہونے کے سلسلے میں آپ درج ذیل مطالب کا مطالعہ فرمائیں اور فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کریں:

☆ صحیح بخاری میں آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ اپنا قدم جہنم میں ڈال دے گا۔[1]

☆ امام الحنابلة ابن تيمية کا کہنا ہے: خدا عرش سے آسمان دنیا پر اسی طرح اترتا ہے جس طرح ہم اترتے ہیں۔ پھر خود زینے سے اتر کر کہا: اس طرح!!۔[2]

☆ خدا کی آنکھیں دکھنے لگیں تو ملائکہ نے اللہ کی عیادت کی۔ طوفان نوح پر خدا اس قدر رویا کہ آنکھیں سوجھ گئیں۔ عرش پر خدا بیٹھتا ہے تو اس کے بوجھ سے عرش چرچراتا ہے اور عرش کے چاروں طرف سے خدا کا جسم چار انگل باہر لٹکتا رہتا ہے۔[3]

☆ اللہ کی داڑھی اور علامت مرد و زن کے بارے میں نہ پوچھو۔ باقی جس عضو کے بارے میں جو چاہو پوچھو۔[4]

☆ علمائے سلف ان لوگوں کی تکفیر کرتے ہیں جو یہ نہیں جانتے کہ اللہ کہاں ہے اور اللہ کے لیے جگہ کا تعین نہیں کرتے۔[5]

☆ جو شخص یہ نہیں کہتا کہ اللہ زمین میں نہیں، آسمان میں ہے، وہ کافر ہے۔[6]

☆ انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول کریم (ص) نے بارش کو اپنے جسم پر لینے کے لیے لباس ہٹا دیا تو سوال ہونے پر فرمایا: لانه حديث العهد بربه۔ یہ ابھی اپنے رب کے پاس سے آ رہی ہے۔[7]

---

[1] صحیح بخاری ۲: ۳۳ طبع مصر ح ۴۴۷۲۔ صحیح مسلم ۱: ۱۷۲ طبع لکھنو۔
سعودی عرب کے ایک سکول میں استاد نے شاگرد سے پوچھا: بِمَ تعرف ربك؟ یعنی تم اپنے رب کو کس چیز سے پہچانتے ہو؟ شاگرد بولا: برجله المحروق یعنی اس کے جلے ہوئے پاؤں سے۔

[2] رحلة ابن بطوطة صفحہ ۴۳۔ باب ذکر بعض المشاهد والمزارات [3] منهاج السنة ۱: ۲۳۸ طبع مصر

[4] الشهرستانی: الملل و النحل ۱: ۴۸ طبع بمبئی [5] الدارمی الرد علی الجهمية ص ۹۶

[6] حوالہ سابق [7] حوالہ سابق ص ۲۰

Marfat.com

مولانا شبلی نعمانی ان نظریات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

عقائد میں جس طرح درجہ بدرجہ تغیر ہوتا جاتا ہے، اسے ہم ایک خاص مسئلے کی مثال میں پیش کرتے ہیں:

پہلا درجہ: خدا جسمانی ہے۔ عرش پر متمکن ہے۔ اس کے ہاتھ منہ ہیں۔ خدا نے آنحضرت (ص) کے دوش پر ہاتھ رکھ دیا تو آنحضرت کو (ص) ہاتھوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی۔

دوسرا درجہ: خدا جسمانی ہے۔ اس کے ہاتھ، منہ اور پنڈلی ہیں۔ لیکن یہ سب چیزیں ایسی نہیں جیسی ہماری ہیں۔

اللہ کے جسم اور جسمانی ہونے پر علمائے سلف کے دلائل کا مطالعہ کرنے کے لیے درج ذیل کتب کا مطالعہ فرمائیں جن میں اللہ تعالیٰ کے مجسم ہونے پر بہت سے دلائل قائم کیے گئے ہیں۔

۱۔ کتاب السنة۔ تالیف: امام احمد بن حنبل امام الحنابلة۔ طبع دار ابن القیم السعودیة۔

۲۔ کتاب الابانة۔ تالیف: ابوالحسن اشعری امام الاشاعرہ۔ طبع حیدرآباد دکن۔

۳۔ الرد علی الجهمیة۔ تالیف: امام احمد بن حنبل امام الحنابلة۔ طبع دار الوعی حلب۔ شام۔

۴۔ خلق افعال العباد۔ تالیف: محمد بن اسماعیل مؤلف صحیح بخاری۔

۵۔ کتاب العرش و العلو۔ تالیف: الحافظ شمس الدین الذہبی، امام الحدیث۔ مطبع فاروقی دہلی۔ ہندوستان

۶۔ کتاب الرد علی الجهمیة۔ تالیف: الامام عثمان بن سعید الدارمی طبع بریل لیدن۔

۷۔ کتاب التوحید۔ تالیف: الامام ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ۔ طبع ریاض۔ سعودی عرب۔

علم الکلام صفحہ ۱۵ طبع اعظم گڑھ

Marfat.com

۸۔ اجتماع الجیوش الاسلامیۃ ۔ تالیف: ابن قیم الجوزیہ۔ طبع مکتبہ ابن تیمیہ ۔قاہرہ ۔مصر۔

۹۔ الشریعۃ۔ تالیف: ابوبکر محمد بن الحسین الاجری الشافعی۔ طبع دار السلام۔ ریاض۔ سعودی عرب۔

۱۰۔ السنۃ۔ تالیف: احمد بن محمد الخلال البغدادی، شیخ الحنابلۃ ۔ طبع دمشق۔ شام۔

۱۱۔ مناھج الدولۃ۔ تالیف: الحکیم ابن رشد۔

ان کتابوں میں اللہ کے جسمانی ہونے پر دلائل موجود ہیں اور ان کے مؤلفین میں سے بعض ائمۂ مذاہب ہیں، بعض امام الحدیث ہیں۔ ان کے علاوہ بہت سی کتب اور بیسیوں روایات موجود ہیں۔[1]

ائمۂ مذاہب کے اس نظریے کو بنیاد بنایا جائے اور اللہ کے جسمانی نہ ہونے پر اس مذہب کے دیگر سینکڑوں علماء کے نظریات و دلائل کو نظر انداز کیا جائے اور بقول شبلی نعمانی: ''عقائد میں درجہ بدرجہ رونما ہونے والے تغیر'' کو اعتنا میں نہ لایا جائے اور اس مذہب کو ''فرقہ مجسمہ'' قرار دے کر اس کے عقیدہ توحید کو مخدوش قرار دیا جائے تو آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ کیا آپ اس عمل کو اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ خلوص قرار دیں گے یا آپ کہیں گے کہ اس شخص نے ہمارے مذہب کے ساتھ عناد اور دشمنی کا مظاہرہ کیا ہے۔

ان اختلافی مسائل کا گہرا مطالعہ رکھنے والے انصاف پسند ہمارے اس مؤقف کی حمایت کریں گے کہ قرآن کے بارے میں اس سے کہیں کمتر مواد کو بعض مکاتب فکر کے حامیوں نے ہمارے (امامیہ کے) خلاف استعمال کیا اور عدم تحریف کے بارے میں ہمارے علمائے سلف و خلف کے اجماعی مؤقف کو نظر انداز کیا اور شواذ کو ہمارے خلاف دلیل بنایا۔ اگر بفرض محال امامیہ کے بارے میں یہ مؤقف صحیح ہے تو اس کی زد میں خود

---

[1] ان کے علاوہ درج ذیل کتب بھی اللہ کے جسمانی ہونے پر دلائل سے پُر ہیں:
۱۔ ابو یعلی۔ نقض التاویلات ۲۔ ابو نصر۔ الابانۃ ۳۔ عسال۔ السنۃ ۴۔ ابو بکر عاصم۔ السنۃ ۵۔ طبرانی السنۃ ۶۔ حرب السیرجانی۔ الجامع ۷۔ حکم بن معبد خزاعی۔ الصفات۔

Marfat.com

اعتراض کنندہ بھی آ جاتا ہے، کیونکہ شواذ تو ہر مذہب میں ہوتے ہیں۔ امام عبدالوہاب شعرانی کو اگر لوگوں کا خوف نہ ہوتا تو وہ ان تمام آیات کو بیان کرتے جو مصحف عثمان سے رہ گئی ہیں:

لو لا ما يسبق للقلوب الضعيفة و وضع الحكمة في غير اهلها لبينت جميع ما سقط من مصحف عثمان۔[1]

اگر یہ خطرہ نہ ہوتا کہ کم فہم لوگ غلط فہمی کا شکار ہو جائیں گے نیز نااہل لوگوں کے ہاتھوں حکمت آ جائے گی تو میں ان سب آیات کو بیان کر دیتا جو مصحف عثمان سے رہ گئی ہیں۔

دیوبند کے صدر المدرسین شیخ الحدیث سید انور شاہ کشمیری کی تحقیق سے ثابت ہے کہ بھی قرآن میں لفظی تحریف واقع ہوگئی ہے۔ بقول ان کے:

و الذی تحقق عندی ان التحریف فيه لفظی اما انه عن عمد منهم او نغفلة۔[2]

میرے نزدیک تحقیق شدہ بات یہ ہے کہ قرآن میں تحریف لفظی واقع ہوئی ہے خواہ عمداً ہو یا غفلت کی بنا پر۔

چنانچہ فیض الباری کے فاضل محشی شیخ الحدیث مولانا محمد بدر عالم استاد الحدیث دیوبند نے اپنے ذیلی حاشیہ البدر الساری میں مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ سید محمود آلوسی بغدادی تفسیر روح المعانی کے مقدمہ میں اور شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمن کاندھلوی صدیقی مقدمہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:

نعم اسقط زمن الصدیق ما لم یتواتر او ما نسخت تلاوته۔

ہاں صدیق (حضرت ابوبکرؓ) کے زمانے میں وہ آیات جو متواتر نہ تھیں یا جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی، حذف کی گئیں۔

قرآن کے بارے میں مجموعی طور پر مذہب اشعری کے ایک گروہ کا نظریہ دیکھ کر یقین نہیں آتا کہ اس اسلامی فرقے کا ایسا نظریہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ نظریہ اس طرح ہے:

---

[1] کبریت احمر بر حاشیۂ الیواقیت و الجواہر ۱: ۱۳۹۔ طبع مصر

[2] فیض الباری علی صحیح البخاری ۳: ۳۹۵

Marfat.com

ان القرآن لم ینزل قط علی قلب محمد علیه الصلوة و السلام۔ و ان مانقرأ فی الصلوة و نحفظ فی الصدور لیس هو القران البتة.[1]

اللہ تعالیٰ کا کلام جبرئیل علیہ السلام نے قلب محمد (ص) پر نازل نہیں کیا اور جو چیز ہم نماز میں پڑھتے اور سینے میں (قرآن کے نام سے) محفوظ رکھتے ہیں، ان میں سے کوئی چیز کلام اللہ نہیں ہے۔

اسی کتاب میں یہ عبارت بھی آپ پڑھیں گے (جسے ہم بخوشی نقل نہیں کر رہے ہیں):

و لقد اخبرنی علی بن حمزه المرادی الصقلی انه رای بعض الاشعرية يبطح المصحف برجله قال: فاکبرت ذالك و قلت له: ويحك هكذا تصنع بالمصحف و فيه كلام اللّٰه تعالیٰ؟ فقال: ويلك و اللّٰه ما فيه الا السخام و السوادو اما كلام اللّٰه فلا.

علی ابن حمزہ مرادی نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے مذہب اشعری کے ایک پیروکار کو دیکھا کہ وہ اپنے پاؤں سے قرآن کو ٹھوکر مار رہا تھا۔ میں نے اسے بڑی جسارت سمجھ کر اس سے کہا: افسوس ہو تم پر، اس مصحف کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہو، جب کہ اس میں اللہ کا کلام ہے۔ اس نے کہا: تباہی ہو تم پر، قسم بخدا اس میں کلام خدا نہیں، بلکہ صرف سیاہ لکیریں ہیں۔

آگے لکھتے ہیں:

و کتب الی ابو المرحی بن رزوار المصری: ان بعض ثقات اهل مصر من طلاب السنن اخبره: ان رجلا من الاشعرية قال له مشافهة: علی من يقول ان اللّٰه قال: قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ الف لعنة۔

اور ابو المرحی بن رزوار مصری نے مجھے لکھا کہ مصر کے بعض ثقہ طالب علموں نے اسے بتایا کہ ایک اشعری نے اس سے بالمشافہ کہا: جو شخص یہ کہے کہ اللہ تعالیٰ نے قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ کہا ہے، اس پر ہزار لعنت ہو۔

---

[1] ابن حزم ۔الفصل فی الملل و النحل ۴:۱۵۹۔ طبع مصر

Marfat.com

ہمارا موقف یہ ہے کہ اس قسم کے شواذ کی کوئی اہمیت نہیں اور اجماع امت کے خلاف شاذ و نادر اقوال قابل اعتنا نہیں ہیں۔ یعنی جس طرح مذہب اشعری کے ماننے والے ایسے اقوال کو اہمیت نہیں دیتے، ہم بھی کوئی اہمیت نہیں دیتے۔

امانت: جامعۃ الازہر کے جلیل القدر استاد الشیخ محمد غزالی کو ان کی امانت اور دیانتداری نے ان لوگوں کے خلاف قلم اٹھانے پر مجبور کیا جو امامیہ پر تحریف قرآن کے قائل ہونے کی جھوٹی تہمت لگا کر غیر شرعی حرکت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

> مجھے بعض لوگوں پر سخت افسوس ہوتا ہے جو بلا تحقیق بات کرتے ہیں اور نتائج کی پرواہ کیے بغیر تہمتیں لگا دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مریض اخلاق کے ساتھ اسلام کے فکری میدان میں قدم رکھتے ہیں اور اسلام و امت مسلمہ کے خلاف گستاخی کرتے ہیں۔ میں نے ایک محفل میں کسی شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ شیعوں کا ایک اور قرآن ہے جو ہمارے معروف قرآن سے مختلف ہے۔ میں نے اس سے کہا: وہ قرآن کہاں ہے؟ عالم اسلام تین براعظموں پر پھیلا ہوا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے لے کر آج تک چودہ صدیاں گزر چکی ہیں اور لوگوں کو صرف ایک ہی قرآن کا علم ہے جس کے آغاز و اختتام اور سورہ و آیت کی تعداد تک معلوم ہے۔ پس یہ دوسرا قرآن کہاں ہے؟ اتنے طویل عرصے سے کسی جن و انس کو اس کے کسی نسخے کا علم کیوں نہ ہو سکا؟ یہ بہتان کیوں لگایا جاتا ہے اور یہ پروپیگنڈہ کس کے مفاد کے لیے کیا جاتا ہے؟ اس سے اپنے بھائیوں اور کتاب اللہ کے بارے میں بدگمانیاں پھیلتی ہیں۔ قرآن ایک ہی ہے جو اگر قاہرہ میں چھپتا ہے تو اسے نجف اور تہران میں بھی مقدس سمجھا جاتا ہے... پھر بعض لوگوں پر نیز وحی الٰہی پر ایسے بہتان کیوں باندھے جاتے ہیں؟[1]

---

[1] دفاع عن العقیدۃ و الشریعۃ۔ صفحہ ۲۶۴۔ طبع دار الکتب الحدیثۃ، مصر ۱۹۷۵ء

Marfat.com

شیخ التفسیر دار العلوم دیوبند علامہ شمس الحق اپنی کتاب علوم القرآن میں لکھتے ہیں:

> شیعوں کا نظریہ وہی ہے جو سنیوں کا ہے کہ قرآن مکمل طور پر محفوظ ہے جس میں ایک آیت کی کمی و بیشی نہیں ہوئی۔ اس بات کی دلیل کے لیے شیعوں کی متعدد کتب کا حوالہ پیش کرتا ہوں۔[1]

مشہور مفسر علامہ عبد الحق حقانی اپنی معروف تفسیر فتح المنان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر الحقانی کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

> آج تک سلف سے لے کر خلف تک کوئی محقق شیعہ بلکہ کوئی اہل اسلام بھی یہ عقیدہ (قرآن میں تحریف ہوئی ہے) نہیں رکھتا۔ چنانچہ شیعہ علماء اس خیال کی برائت اپنی کتب میں بڑی شدومد سے کرتے ہیں۔[2]

خیانت: حضرت علامہ رحمۃ اللہ کیرانوی اپنی معروف تصنیف اظہار الحق جلد دوم ۸۹۔۹۰ میں عدم تحریف قرآن کے بارے میں امامیہ کا واضح مؤقف نقل کرتے ہیں اور امامیہ کے علمائے سلف کے اقوال سے اس مؤقف کو ثابت کرتے ہیں۔ یہ کتاب قاہرہ، استنبول، مغرب عربی اور کراچی سے متعدد بار چھپ چکی ہے۔ ترکی، فرانسیسی، انگریزی، گجراتی اور اردو زبانوں میں اس کتاب کا ترجمہ ہوا ہے، مگر کسی ایڈیشن میں کوئی کمی و بیشی اور خیانت نہیں ہوئی۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ سعودی عرب کا معروف ادارہ رئاسۃ الادارات للبحوث العلمیۃ و الافتاء و الدعوۃ و الارشاد (ریاض) کی طرف سے شائع شدہ کتاب اظہار الحق میں انتہائی علمی بددیانتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ڈھائی صفحات پر مشتمل وہ متن حذف کر دیا گیا ہے جس میں مؤلف نے ثابت کیا تھا کہ اہل تشیع عدم تحریف قرآن کے قائل ہیں۔

نظریہ جبر اور تحریف: ہمارے شامی دوست سعد رستم ناقل ہیں کہ ایک روز اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد کے مصری اور مقامی اساتذہ شیعوں کے ایمان بالقرآن پر

---

[1] علوم القرآن ۱۳۴ [2] تفسیر حقانی ۱:۶۳ طبع دیوبند

Marfat.com

گفتگو کر رہے تھے اور اس بات کو مسلمہ مان رہے تھے کہ شیعہ اس قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ یہ حال دیکھ کر مجھے بھی شک ہوا اور میں نے گھر جا کر اپنی ایرانی نژاد شیعہ بیوی سے سوال کیا: کیا شیعہ اس قرآن کو نہیں مانتے؟ میری بیوی کے جواب کا لب و لہجہ دیکھ کر مجھے یقین آیا کہ شیعہ اسی قرآن پر پختہ ایمان رکھتے ہیں۔ دوسرے دن میں نے اساتذہ کے سامنے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے اس کی جو توجیہ کی وہ ایک یادگار لطیفہ ہے۔ انہوں نے فرمایا: دراصل شیعہ علماء اپنے عوام پر اس عقیدے کا اظہار نہیں کرتے کہ وہ اس قرآن کو نہیں مانتے، جیسے کہ ہم عقیدۂ جبر کا اپنے عوام کے سامنے اظہار نہیں کرتے۔

اسلامی یونیورسٹی کے اساتذہ کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ نظریۂ جبر پر آپ کا جبر نہیں چل سکا اور یہ نظریہ خواص کے ساتھ بہت سے عوام تک پہنچا ہوا ہے، البتہ آپ اس کا پرچار نہیں کرتے۔ شاید اس میں آپ اپنی خفت محسوس کرتے ہوں گے۔ اگر امامیہ اس قسم کا عقیدہ رکھتے تو اس پر ہمارا بھی جبر نہ چلتا اور یہ بات کسی نہ کسی طرح اپنے عوام تک پہنچ جاتی۔

چنانچہ حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں:

ما اضمر احد شیئاً الا ظهر فی فلتات لسانه و صفحات وجهه۔[۱]

جس کسی نے بھی کوئی بات دل میں چھپا کر رکھنی چاہی وہ اس کی زبان سے بے ساختہ نکلے ہوئے الفاظ اور چہرے کے آثار سے ضرور نمایاں ہو جاتی ہے۔

وہ نظریات جن سے تحریف قرآن لازم آتی ہے

ہم یہاں ان نظریات کو مسترد کرتے ہیں جن سے قرآن کا تحفظ مخدوش ہوتا ہے:

۱۔ دو گواہ: یہ بات غیر امامیہ مصادر میں مسلم سمجھی جاتی ہے کہ حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں قرآن زید بن ثابت انصاری کی زیر ادارت صرف دو دو گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر جمع کیا گیا۔ یعنی اگر دو گواہوں نے شہادت دی کہ یہ عبارت قرآن کا حصہ ہے تو اسے قرآن میں شامل کر لیا گیا، بلکہ چند آیات تو صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری کی گواہی پر قرآن میں شامل کی گئیں۔

۱۔ نہج البلاغہ: کلمات قصار ۲۵

Marfat.com

یہاں درج ذیل دلچسپ نکات کا ملاحظہ ضروری ہے:

i۔ ثبوت قرآن کے لیے تواتر کی شرط ہونے پر اجماع قائم ہے۔ تواتر کے بغیر قرآن ثابت نہیں ہوتا۔

ii۔ اگر بفرض محال دو گواہوں کی بنیاد پر ہی قرآن ثابت ہوتا ہے تو پھر قرآن میں تحریف خود بخود لازم آ جاتی ہے کیونکہ غیر امامیہ مصادر کے مطابق ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن کے قرآن ہونے پر دو سے زائد شہادتیں موجود ہیں، مگر اس کے باوجود یہ آیات موجودہ قرآن میں نہیں ہیں. مثلاً:

۱۔ **آیت رجم**: الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموھما.

درج ذیل جلیل القدر اصحاب اس آیت کو قرآن کا حصہ قرار دیتے ہیں:

۱۔ حضرت عمر (صحیح بخاری ۳: ۶۸ طبع مصر و صحیح مسلم۔ سنن ابن ماجہ)

۲۔ حضرت عائشہ (سنن ابن ماجہ: ۱۴۱)

۳۔ اُبی بن کعب (الاتقان ۲: ۲۵)

۴۔ زید بن ثابت (الاتقان ۲: ۲۵)

۲۔ **آیت مال**: انا انزلنا المال لاقام الصلوۃ و ایتاء الزکوۃ۔

گواہان: ۱۔ ابی بن کعب (الدر المنثور ۶: ۳۷۸)

۲۔ زید بن ارقم (حوالہ سابق)

۳۔ جابر بن عبد اللہ (حوالہ سابق)

۴۔ بریدۃ (حوالہ سابق)

۵۔ ابو موسی اشعری (صحیح مسلم)

۶۔ ابو واقد لیثی (الاتقان)

۷۔ عبد اللہ بن مسعود (محاضرات راغب)

۳۔ **آیت رغبت**: لا ترغبوا عن آبائکم فانه کفر ان ترغبوا عن آبائکم۔

گواہان: ۱۔ حضرت عمر (صحیح بخاری)

۲۔ عبد اللہ بن عباس (الاتقان)

Marfat.com

۳۔ زید بن ثابت (الاتقان)

۴۔ آیت جہاد: ان جاھدوا کما جاھدتم اول مرۃ۔

گواہان: ا۔ حضرت عمر (الاتقان ۲: ۲۵)

۲۔ عبد الرحمن بن عوف (الاتقان ۲: ۲۵)

۵۔ سورۃ الخلع: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم انا نستعینک و نستغفرک ☆ و نثنی علیک و لا نکفرک ☆ و نخلع و نترک من یفجرک ☆

۶۔ سورۃ الحفد: بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ اللھم ایاک نعبد ☆ و لک نصلی و نسجد ☆ و الیک نسعی و نحفد ☆ نرجوا رحمتک ☆ و نخشی عذابک ان عذابک بالکافرین ملحق ☆

ان دو سورتوں کے قرآن کا حصہ ہونے پر درج ذیل اصحاب کی گواہی نقل کی گئی ہے:

گواہان: ا۔ حضرت عمر بن خطابؓ (الدر المنثور ۶: ۴۲۰)

۲۔ حضرت علی ابن ابی طالب ... (مجمع الزوائد ... ۱۵۷)

۳۔ حضرت ابی بن کعب (الاتقان ۲: ۶۲)

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس (روح المعانی ۱: ۲۵ طبع مصر)

۵۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری

۲۔ احادیث سبعة احرف: صحاح اور دیگر کتب میں متعدد احادیث نقل کیا گیا ہے کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا: قرآن سات حروف میں نازل ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں عبد اللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا:

اقرأنی جبرئیل علی حرف فراجعته فلم ازل استزیده و یزیدنی حتی انتهی الی سبعة احرف۔[1]	مجھے جبرئیل نے قرآن ایک حرف (طریقے) سے پڑھایا، میں اللہ طرف رجوع کرتے ہوئے اضافے کی درخواست کرتا رہا یہاں تک کہ سات حرفوں (طریقوں) سے پڑھنے کی اجازت مل گئی۔

---

[1] صحیح بخاری باب انزل القرآن علی سبعة احرف ۴: ۱۹۰۹۔ صحیح مسلم ۱: ۵۶۱

Marfat.com

احادیث سبعة احرف مختلف عبارات میں، صحاح و غیر صحاح میں عبد اللہ بن عباس، ابو ہریرہ، عبداللہ بن مسعود، ابی بن کعب، عبد الرحمٰن بن ابی بکر سے مروی ہیں۔ ان روایات کی مختلف تاویلات بھی کی گئی ہیں۔ سب سے زیادہ معروف و مشہور توجیہ یہ ہے: ''قرآنی الفاظ کو قریب المعنی الفاظ میں بدلا جا سکتا ہے۔'' اس طرح قرآن کی معجزانہ ہیئت ترکیبی کا حلیہ تبدیل ہو جاتا ہے اور یہی تحریف ہے۔ مثلاً اس بات کی تصریح کی گئی:

۱۔ اِنِّی نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا میں صَوْمًا کی جگہ صمتا پڑھنا جائز ہے۔[۱]

۲۔ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ میں مَّشَوْا کی جگہ سعوا یا مروا پڑھا جا سکتا ہے۔[۲]

۳۔ ابو ہریرہ کے نزدیک عَلِيْمًا حَكِيْمًا کی جگہ غفوراً رحیما پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔[۳]

۴۔ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ میں زُخْرُفٍ کی جگہ ذهب پڑھنا درست ہے۔[۴]

۵۔ ابن مسعود کے نزدیک العهن کی جگہ الصوف پڑھا جا سکتا ہے۔[۵]

۶۔ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً کی جگہ اِلا ذقية واحدة پڑھا جا سکتا ہے۔[۶]

۷۔ ابو ہریرہ کے نزدیک جَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ کی جگہ جاء ت سکرۃ الحق بالموت پڑھنا بھی درست ہے۔[۷]

۸۔ ابو درداء کی روایت ہے کہ طَعَامُ الْاَثِيْمِ کی جگہ طعام الفاجر پڑھا جا سکتا ہے۔[۸]

اس نظریے کو قبول کرنے کی صورت میں دو باتیں ناگزیر ہوتی ہیں:

۱۔ تحریف کا وقوع۔

۱۔ تذکرۃ الحفاظ ۱: ۳۴۰ طبع دکن ۲۔ الاتقان ۱: ۴۷ ۳۔ حوالہ سابق
۴۔ حوالہ سابق ۵۔ تفسیر طبری ۱: ۱۸ ۶۔ تاویل مشکلات القرآن ۱۹ طبع مصر
۷۔ تفسیر الطبری ۱: ۱۸ ۸۔ حوالہ سابق ۲۵: ۱۳۱

Marfat.com

۲۔ تحریف کا جواز۔

پہلی بات یہ کہ جب قرآن سات حرفوں (طریقوں) پر نازل ہوا ہے اور اس وقت ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن ہے وہ ایک حرف پر مشتمل ہے تو باقی چھ حرفوں والا قرآن کہاں ہے؟

دوسری بات یہ کہ اگر ایک لفظ کی جگہ دوسرا لفظ رکھنا جائز ہے تو اس کا لازمہ یہ ہوا کہ تحریف جائز ہے۔ اسی وجہ سے امامیہ اس بات کو تسلیم نہیں کرتے کہ قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے، کیونکہ ایسا کرنے کا حق تو خود رسول اللہ (ص) کو بھی نہیں تھا۔

ارشاد ہے:

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِي ۖ إِنْ أَتَّبِعُ إِلَّا مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ ..... [1]	کہہ دیجیے: مجھے یہ اختیار نہیں کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں، میں تو اس وحی کا تابع ہوں جو میری طرف بھیجی جاتی ہے۔

تحریف قرآن کے بارے میں اگر امامیہ مصادر میں کوئی روایات موجود ہوں تو بھی امامیہ ان روایات پر مبنی کوئی نظریہ قائم نہیں کرتے، بلکہ ان کی توجیہ و تاویل کرتے ہیں۔ اگر تاویل ممکن نہ ہو تو کتاب خدا کے خلاف ہونے کی وجہ سے انہیں مسترد کرتے ہیں۔

لیکن غیر امامیہ حضرات اپنے مصادر میں موجود تحریف کی روایات کو تسلیم کرتے ہیں۔ اس لیے ان روایات پر مبنی نسخ تلاوت کا نظریہ قائم کرتے ہیں۔ اسی طرح ان روایات کی بنا پر بعض آیات کو قرآن کا حصہ تسلیم کرنے کے بعد "نسخ تلاوت" کے نظریے کے ذریعے اس کی قرآنیت سے ہاتھ اٹھا لیتے ہیں، جب کہ "نسخ تلاوت" ثابت نہیں ہے۔

۳۔ نسخ تلاوت۔ غیر امامیہ مصادر میں آیا ہے کہ قرآن کی بہت سی آیات زمان رسول (ص) میں قرآن کا حصہ تھیں۔ انه كان قرآن على عهد رسول الله۔ مثلاً آیہ رجم، آیہ رضاعت اور آیہ رغبت کے قرآن کا حصہ ہونے کے بارے میں صحیحین میں روایت موجود ہے۔

---

[1] ۱۰ یونس: ۱۵

Marfat.com

طبرانی نے موثق سند سے حضرت عمرؓ سے روایت کی ہے: ''قرآن دس لاکھ ستائیس ہزار حروف پر مشتمل ہے''۔ جب کہ موجودہ قرآن اس مقدار کا ایک تہائی بھی نہیں ہے۔

وہ اس قسم کی بہت سی روایات کو مسترد کرنے کی بجائے موجودہ قرآن میں غیر موجود چیزوں کو قرآن کا حصہ تسلیم کرتے ہیں، کیونکہ صحاح ستہ میں مذکور ہونے کی وجہ سے وہ انہیں قبول کرنے پر مجبور ہیں۔ لیکن صحاح کا بھرم رکھنے کے لیے یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ ان آیات کو نسخ تلاوت کے ذریعے قرآن سے حذف کر دیا گیا ہے۔ چنانچہ شیخ الحدیث مولانا حبیب الرحمٰن کاندھلوی مقدمہ تفسیر بیضاوی میں لکھتے ہیں:

> حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں وہ آیات جو متواتر نہ تھیں
> اور جن کی تلاوت منسوخ ہوگئی تھی، حذف کر دی گئیں۔

نسخ تلاوت کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ اپنی صحاح میں موجود روایات کی بنا پر انہوں نے بہت سی عبارات کو قرآن کا حصہ تسلیم کر لیا، پھر ان سے ہاتھ اٹھانے کے لیے نسخ تلاوت کا جواز پیش کیا۔ اس بارے میں دوسروں کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ ان سے اس ''نسخ تلاوت'' کا مدرک و مأخذ طلب کریں۔ ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ ان کے پاس اس کا کوئی مدرک اور سند موجود نہیں ہے۔ کیونکہ اگر یہ نسخ رسول کریمؐ کے زمانے میں ہوا ہوتو اسے ثابت کرنے کے لیے تواتر کی ضرورت ہے، بلکہ بعض ائمہ فقہ جیسے امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک تو خبر متواتر سے بھی نسخ قرآن ثابت نہیں ہوسکتا۔ بعض فقہاء خبر متواتر سے نسخ قرآن کو جائز سمجھتے ہیں، لیکن اس کے وقوع پذیر ہونے کے قائل نہیں اور خبر واحد کے ذریعے نسخ قرآن کا تو کوئی قائل نہیں ہے۔ لہٰذا نسخ تلاوت پر صحاح میں موجود روایات کے علاوہ کوئی اور دلیل موجود ہی نہیں ہے۔

نکتہ: نسخ تلاوت کی صحت صحاح کی روایت کی صحت پر موقوف ہے۔ جب کہ صحاح کی روایت کی صحت نسخ تلاوت کی صحت پر موقوف ہے۔ لہٰذا نسخ تلاوت کی صحت خود نسخ تلاوت کی صحت پر موقوف ہے، جسے علمی زبان میں دور مصرح کہتے ہیں جس کا بطلان بدیہی ہے۔ چنانچہ نسخ تلاوت، ثابت نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہے،

Marfat.com

لہٰذا صحاح کی روایت سے تحریف قرآن لازم آتی ہے۔ (فتدبر)

اگر یہ نسخ رسول کریم (ص) کے بعد ہوا ہے تو یہ صریحاً تحریف ہے۔ اس سے واضح طور پر یہ لازم آتا ہے کہ جو لوگ نسخ تلاوت کے قائل ہیں وہ تحریف کے بھی قائل ہیں۔ یعنی ان کے اس نظریے سے، خواہ وہ نہ بھی چاہیں، تحریف لازم آئے گی۔ اسی لیے بعض معاصر غیر امامیہ علماء بھی نسخ تلاوت کو مسترد کرتے ہیں۔[1]

---

[1] صبحی صالح۔ علوم القرآن

Marfat.com

روایات تحریف کے بارے میں
مذہب امامیہ کا موقف

دیگر مکاتب فکر کی معتبر کتب کی طرح شیعہ کتب میں بھی ایسی روایات موجود ہیں جن میں سے بعض سے بادی النظر میں تحریف کا مفہوم ظاہر ہوتا ہے اور کچھ میں صراحت موجود ہے، مگر شیعہ ان روایات کے تحت نسخ کا نظریہ قائم نہیں کرتے بلکہ ان روایات کی یا تو توجیہ کرتے ہیں کہ ان سے مراد تحریف لفظی نہیں اور اگر قابل توجیہ نہیں ہیں تو ایسی روایات کو مخالف قرآن سمجھ کر یکسر مسترد کرتے ہیں۔

۱۔ **متحرک اجتہاد:** اہل تشیع کے ہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے، لہٰذا ان کی نظر میں متحرک و زندہ اجتہاد کی وجہ سے کوئی کتاب حرف آخر نہیں ہے، بلکہ ہر کتاب، ہر روایت قابل بحث و تحقیق ہے اور تمام اسلامی نصوص تحقیق و تدقیق کے قابل ہیں۔

چنانچہ اصول کافی اگرچہ کتب شیعہ میں سے مشہور کتاب سمجھی جاتی ہے مگر اس میں مختلف احادیث موجود ہیں۔ بعض احادیث اگر کچھ مجتہدین کے نزدیک صحیح السند ہیں تو ضروری نہیں کہ دوسرے مجتہدین کی نظر میں بھی وہ صحیح السند ہوں۔ جو مسلمان صحاح ستہ کی روایات کا صحیح السند ہونا ضروری اور لازمی تصور کرتے ہیں، ان کے لیے ممکن ہے کہ صحاح میں کسی روایت کا موجود ہونا اس روایت کے مضمون کا ضمنی اعتراف بن جائے، لیکن شیعہ کتب میں اگر کوئی روایت موجود ہے تو اسے مضمون کا ضمنی اعتراف تصور نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے اس سلسلے میں سب سے زیادہ روایات نقل کی ہیں۔ اس کے باوجود انہوں نے بحار الانوار میں صریحاً کہا ہے کہ قرآن میں قطعاً کوئی تحریف نہیں ہوئی۔

Marfat.com

۲۔ ناقابل اعتبار روایات: تحریف قرآن کے بارے میں اکثر شیعہ روایات ضعیف راویوں سے منقول ہیں۔ چنانچہ ان روایات میں ایک قابل توجہ سلسلہ روایت احمد بن محمد السیاری پر منتہی ہوتا ہے۔ علمائے شیعہ فرماتے ہیں کہ تحریف قرآن سے مربوط تین سو (۳۰۰) روایات احمد بن محمد السیاری سے مربوط ہیں۔

السیاری کون ہے؟ شیعہ کتب رجال میں احمد بن محمد السیاری کے بارے میں درج ذیل الفاظ استعمال ہوئے ہیں:

وہ ضعیف الحدیث، فاسد المذہب، غالی اور منحرف ہے۔[۱]

ان روایات تحریف میں یونس بن ظبیان کا نام بھی آتا ہے۔ اس شخص کو علمائے رجال نے ان الفاظ کے ساتھ یاد کیا ہے:

یہ نہایت ضعیف، ناقابل توجہ، غالی، کذاب اور احادیث گھڑنے والا ہے۔[۲]

پھر ان میں منخل بن جمیل الاسدی کوفی کا نام بھی آیا ہے۔ جس کے بارے میں علمائے رجال نے لکھا ہے:

وہ فاسد الروایہ، ضعیف، غالی اور منحرف ہے۔[۳]

محمد بن حسن بن جمہور بھی ان راویوں میں شامل ہے جس کے بارے میں علمائے رجال فرماتے ہیں:

ضعیف، غالی، فاسد الروایہ، ناقابل توجہ اور فاسد المذہب ہے۔[۴]

۳۔ وحی منزل اور قرآن: اکثر روایات میں مضمون حدیث اس طرح ہے: نزلت فی فلاں۔ ھکذا نزلت وغیرہ۔ علماء اور محققین سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہے کہ رسول خدا (ص) پر جو کچھ بھی بطریق وحی نازل ہوتا ہے، ان سب کا قرآن ہونا ضروری نہیں ہے۔ لہٰذا اگر روایت یوں کہے: یہ وحی یوں نازل ہوئی یا فلاں ہستی کے بارے میں نازل ہوئی، اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرمان الٰہی ہے اور بطور وحی

۱۔ قاموس الرجال ج ۱ ص ۴۰۳۔ طبع تہران۔ رجال نجاشی ص ۵۸۔ طبع بمبئی۔ نقد الرجال ص ۳۲ طبع ایران قدیم۔ معجم رجال الحدیث ج ۲ ص ۲۹۔ طبع نجف

۲۔ نقد الرجال ص ۳۸۱

۳۔ دراسات فی الحدیث و المحدثین۔ نقد الرجال ص ۳۵۴

۴۔ نقد الرجال ص ۲۹۹۔ رجال نجاشی ص ۲۳۸۔ طبع بمبئی

Marfat.com

نازل ہوئی ہے، لیکن یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ قرآن کا حصہ ہے، کیونکہ ہر وحی قرآن نہیں۔ یاد رہے کہ پورا قرآن وحی ہے، لیکن ہر وحی قرآن نہیں۔

شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

کان ثابتا منزلا و ان لم یکن من جملة کلام اللّٰہ تعالیٰ الذی ھو القرآن المعجز۔[1]

اگرچہ نازل ہوا ہے لیکن وہ کلام اللہ نہیں ہے جو قرآن اور معجزہ ہے۔

شیخ صدوقؒ اپنے اعتقادیہ صفحہ ۷۵ میں ایک حدیث کا مفہوم بتاتے ہوئے فرماتے ہیں:

بل نقول انه قد نزل من الوحی الذی لیس من قرآن مالو جمع الی القرآن لکان مبلغه مقدار سبع عشرة الف آیة، (الی ان قال) و مثل ھذا کثیر کله وحی لیس بقرآن۔

یہ وحی کے طور پر نازل ہوئی تھی مگر قرآن کا حصہ نہ تھی۔ اگر ان کو قرآن کے ساتھ جمع کیا جائے تو (مجموعی طور پر) ستر ہزار آیات بن جاتی ہیں۔ اس قسم کی روایات بہت ہیں۔ یہ سب وحی تو ہیں مگر قرآن نہیں ہیں۔

۴۔ تفسیر: احادیث کے بعض الفاظ تفسیر قرآن کی غرض سے (جملہ معترضہ کے طور پر) آیت کے وسط میں درج ہوئے ہیں۔

چنانچہ کافی میں حضرت امام جعفر الصادق (ع) سے یہ آیت اس طرح نقل کی گئی ہے:

.... وَ اِنْ تَلْوٗاۤ اَوْ تُعْرِضُوْا (عما امرتم) فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔[2]

اس آیت میں عما امرتم بغرض تفسیر و توضیح آیت کے وسط میں مذکور ہے، نہ کہ قرآن کے طور پر۔

۵۔ شان نزول: بعض الفاظ شان نزول کے بیان کے لیے آیت کے وسط

---

[1] اوائل المقالات ص ۵۵ [2] ۴ نساء : ۱۳۵

Marfat.com

میں مذکور ہوئے ہیں۔ جیسے:

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (فی علی)

و ان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔[1]

چنانچہ حضرت عائشہؓ سے روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے آیہ حافظوا علی الصلوات و الصلوۃ الوسطی[2] کے ساتھ "و صلوۃ العصر" پڑھا ہے۔[3] علمائے اہل سنت تو ایسی روایات سے ان الفاظ کو قرآن کا حصہ تسلیم کر لینے کے بعد توجیہ کرتے ہیں، لیکن علمائے شیعہ انہیں قرآن کا حصہ تسلیم کرنے سے پہلے ہی ان کی توجیہ کرتے ہیں۔

۲۔ **تحریف معنوی:** روایات میں تحریف کا لفظ صریحاً موجود ہے، لیکن ان میں تحریف سے مراد تحریف معنوی ہے۔ تحریف معنوی کا مطلب یہ ہے کہ مفاد پرستوں نے آیات قرآنی کے مطالب کو ان کے حقیقی مفہوم سے ہٹا کر اپنی رائے اور ذاتی یا گروہی خواہشات کے مطابق معنی پر محمول کیا ہے۔ حضرت علی (ع) نے فرمایا:

لا یعرفون الا خطہ۔[4]

وہ لوگ قرآن کے صرف خطوط و نقوش کو پہچانتے ہوں گے۔

اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ لوگ قرآن میں معنوی تحریف تو کریں گے لیکن الفاظ قرآن محفوظ رہیں گے۔

چنانچہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے:

وکان من نبذھم الکتاب ان اقاموا حروفہ و حرفوا حدودہ، فھم یروونہ و لا یرعونہ و الجھال یعجبھم حفظھم للروایۃ و العلماء یحزنھم ترکھم للرعایۃ۔[5]

انہوں نے کتاب خدا کو اس طرح پس پشت ڈال دیا کہ اس کے حروف کی پاسداری تو کی مگر اس کی حدود میں تحریف کی۔ یہ لوگ روایت تو کرتے ہیں مگر رعایت نہیں کرتے۔ نادان لوگ روایت کے تحفظ کو پسند کرتے ہیں اور علماء رعایت کے متروک ہونے سے غمزدہ ہوتے ہیں۔

حضرت علی (ع) سے روایت ہے:

---

[1] مائدہ: ۶۷ [2] بقرہ: ۲۳۸ [3] در منثور ۱: ۳۰۲
[4] نہج البلاغۃ خ ۱۴۵ ص ۳۶۸ [5] الوافی کتاب الصلوۃ ج ۱ ص ۱۸۵ طبع قم

Marfat.com

و ليس عند اهل ذلك الزمان سلعة ابور من الكتاب اذا تلی حق تلاوته ولا انفق منه اذا حرف عن مواضعه۔[1]

اس زمانے کے لوگوں کے نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی بے قیمت چیز نہ ہوگی جب اسے صحیح طور پڑھا جائے اور قرآن سے زیادہ کوئی چیز مقبول نہ ہوگی جب اسے اپنی جگہ سے ہٹا کر تحریف کی جائے۔

۷۔ قراءت: ان روایات میں بہت سی عبارتوں کا تعلق اختلاف قراءت سے ہے۔ جیسا کہ اصحاب رسولؐ (ص) میں سے حضرت ابی بن کعب، حضرت عبد اللہ بن مسعود وغیرہ کی قراءتوں میں اختلاف ہے۔ اس طرح ائمہ اہل بیت علیہم السلام نے بعض قراءتوں میں دوسروں سے اختلاف کیا ہے۔

۸۔ تطبیق: قرآن ایک ابدی دستور حیات ہے بنا بریں قرآن نزول کے وقت جس امر پر منطبق ہوتا تھا، اسی طرح بعد کے ہر اس امر پر بھی جاری و منطبق ہوگا جس میں حال نزول کے حالات و شرائط موجود ہوں۔ اگر زمان نزول میں کسی آیت میں کسی کی مدح ہوئی ہے تو اس قسم کے اوصاف رکھنے والے سب لوگوں پر یہ مدح منطبق ہوگی۔ اگر کسی آیت میں کسی فرد کی مذمت ہوئی ہے تو یہ قدح اس قسم کے تمام اشخاص پر منطبق ہوگی۔ مفسرین یہاں پر ایک قاعدہ کلیہ قائم کرتے ہیں اور کہتے ہیں: العبرة بعموم اللفظ لا بخصوص السبب۔ یعنی شان نزول و سبب نزول پر انحصار نہیں ہوسکتا، بلکہ لفظ کے عموم کا لحاظ رکھنا ہوتا ہے۔

اس کے تحت بعض غیر قرآنی الفاظ، آیت کی تطبیق کے لحاظ سے قرآنی الفاظ کے ساتھ (توضیح و تبیین کی غرض سے) درج ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض روایات میں ہے:

وَسَيَعْلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا (حق آل محمد) اَيَّ مُنْقَلَبٍ يَنْقَلِبُوْنَ.[2]

اس آیت کے وسط میں (حق آل محمد) صرف بیان مصداق اور بیان مورد انطباق کی غرض سے مذکور ہے، جزو قرآن ہونے کی وجہ سے نہیں ہے۔

---

[1] نہج البلاغۃ خ ۱۴۵ ص ۳۸۷ [2] ۲۶ شعراء: ۲۲۷

Marfat.com

۹۔ مخالف قرآن احادیث مسترد ہیں: اگر کوئی روایت گزشتہ تمام مطالب میں سے کسی ایک پر بھی محمول نہ ہو سکے تو ایسی روایات کو شیعہ اصول حدیث کے مطابق منافی قرآن و سنت ہونے کی وجہ سے رد کیا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی روایت قرآن کی صریح نص انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون[1] کی مخالف ہے تو اس کی کوئی قیمت اور حیثیت نہیں ہے اور وہ درجہ اعتبار سے بالکل ساقط ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت ہے:

ان علی کل حق حقیقۃ و علی کل صواب نوراً فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ۔[2]	ہر حق پر ایک حقیقت اور ہر صائب بات پر ایک روشنی ہوا کرتی ہے۔ پس جو کتاب خدا کے مطابق ہو اسے اخذ کرو، جو کتاب خدا کے مخالف ہو اسے مسترد کرو۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے:

لا تصدق علینا الا ما وافق کتاب اللہ و سنۃ نبیہ (ص)[3]	ہماری صرف ان احادیث کی تصدیق کرو جو کتاب اللہ اور سنت رسول (ص) کے مطابق ہوں۔

امام جعفر صادق (ع) سے روایت ہے:

فما وافق کتاب اللہ فخذوہ و ما خالف کتاب اللہ فدعوہ.[4]	جو کتاب خدا کے مطابق ہو اسے اخذ کرو اور جو اس کے مخالف ہو اسے رد کرو۔

اور مسلک امامت کے آٹھویں تاجدار حضرت امام رضا (ع) نے فرمایا ہے:

اذا کانت الروایات مخالفۃ للقرآن کذبتھا۔[5]	جو روایات قرآن کریم کی مخالف ہوں میں ان کی تکذیب کرتا ہوں۔

تحریف قرآن ناممکن ہے: قرآن میں تحریف اس لیے ناممکن ہے کہ

---

[1] ۱۵ حجر: ۹۔ اس ذکر کو یقیناً ہم ہی نے اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ [2] اصول کافی ۱: ۶۹

[3] وسائل الشیعۃ ۲۷: ۱۲۳

[4] حوالہ سابق ۲۷: ۱۱۹۔ مصنف عبد الرزاق ۲: ۱۱۱ فما وافق کی جگہ ما واطی کے ساتھ۔ تہذیب تاریخ دمشق ۵: ۱۳۷ طبع شام

[5] اصول کافی ۱: ۹۵

Marfat.com

اس کی معجزاتی ترکیب اپنے اندر کسی قسم کی تحریف کو قبول نہیں کرتی۔ اس سلسلے میں ہم درجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

ا۔ **اصول و کلیات:** گزشتہ امتوں پر نازل شدہ کتب میں تحریف واقع ہونے کے اہم عوامل میں سے ایک عامل یہ تھا کہ آسمانی کتب میں جو دستور حیات دیا گیا تھا، وہ حکمرانوں اور مفاد پرستوں کے مفادات کے خلاف ہوتا تھا۔ لہٰذا کچھ لوگوں نے ان کی مخالفت کی، کچھ نے ان حقائق کو چھپانے کی کوشش کی اور کچھ نے تحریف کر ڈالی۔

لیکن خاتم الانبیاء (ص) کے ابدی معجزے قرآن کو تحریف سے محفوظ رکھنے کا انتظام خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ نے قرآن میں صرف اصول وکلیات ہی بیان کیے اور تفسیر وتشریح کا کام سنت پر چھوڑ دیا۔ اسی لیے قرآن میں معاصر لوگوں میں سے کسی کا نام مذکور نہیں۔ نہ برگزیدہ ہستیوں کے نام مذکور ہیں، نہ قابل مذمت لوگوں کے نام درج ہیں۔ صرف ابولہب اور اس کی بیوی کی مذمت نام لے کر کی گئی ہے۔ ابولہب کی کھلی عداوت اور خود حضور (ص) کا رشتہ دار ہونا ایسی باتیں تھیں جن کی وجہ سے اس کا نام صریحاً لیا گیا۔ کیونکہ مستقبل میں رسول (ص) کے خاندان کی طرف سے کسی تحریف کا خطرہ نہیں تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کے اصول وکلیات کی تشریح وتوضیح رسول خدا (ص) کے ذمے کر دی تھی۔ مثلاً آیہ تطہیر میں اہل بیت (ع) کا نام نہیں لیا گیا۔

سنت رسول (ص) نے ایک ایک فرد کا تعارف کرایا۔

آیہ مباہلہ میں بھی اَبۡنَآءَنَا اور نِسَآءَنَا سے جو لوگ مراد ہیں، ان کی وضاحت سنت رسول (ص) نے کی۔

نیز سورۃ کوثر میں اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ میں یوں نہیں فرمایا: عاص بن وائل او امیۃ بن الخلف ھو الابتر، بلکہ رسول (ص) نے گستاخان رسول (ص) کی نشاندہی فرمائی۔

اگر قرآن میں یہ بتا دیا جاتا کہ... اَلشَّجَرَةَ الۡمَلۡعُوۡنَةَ [1] سے کون لوگ مراد

---

[1] ۱۷ اسراء: ۶۰

Marfat.com

ہیں تو بنی امیہ قرآن کے ساتھ کیا کچھ نہ کرتے۔

اسی طرح ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا [1] میں اس فاسق یعنی ولید بن عقبہ کا ذکر نہیں آیا جو بعد میں کوفے کا حاکم رہا اور جس نے صبح کی نماز چار رکعت پڑھائی اور محراب میں قے کی۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ یُنَادُوۡنَكَ مِنۡ وَّرَآءِ الۡحُجُرٰتِ اَكۡثَرُهُمۡ لَا یَعۡقِلُوۡنَ [2]	جو لوگ آپ کو حجروں کے پیچھے سے پکارتے ہیں بلاشبہ ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔

میں بھی ان بیوقوفوں کا نام نہیں لیا گیا۔ ایسے تمام موارد میں قرآن کی مراد اور مقصود کا بیان کرنا سنت رسول اللہ (ص) کی ذمہ داری ہے۔[3]

ہم اس کی کئی مثالیں سنت رسول (ص) سے بھی پیش کر سکتے ہیں۔ یہاں ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں۔ وہ یہ ہے:

اکثر مفسرین اور صحاح نے قرآن کی متعدد آیات کے بارے میں ایسی روایات کو نہایت شوق سے ذکر کیا ہے، جن کے مطابق یہ آیات حضرت ابوطالب کے خلاف نازل ہوئی ہیں۔ مثلاً سورہ برائت آیت ۱۱۳ اور سورہ قصص کی آیت ۵۶ کے بارے میں بخاری کتاب التفسیر سورۃ القصص میں یہ روایت ملے گی کہ یہ دو آیتیں حضرت ابو طالب کے عدم ایمان کے بارے میں نازل ہوئی ہیں، لیکن مائدہ کی آیت ۵۵ انما ولیکم اللہ ... کے بارے میں کوئی روایت نہیں ملتی کہ یہ حضرت علی ابن ابی طالب علیہ السلام کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ جب کہ اس حدیث کو بارہ اصحاب رسول (ص) نے روایت کیا ہے۔

اس سلسلے میں تحریف حدیث کی سب سے روشن مثال یہ ہے کہ حدیث غدیر جسے رسول اللہ (ص) نے ہزاروں کے مجمع میں بیان فرمایا اور نہایت نامساعد حالات کے باوجود یہ حدیث ایک سو دس (۱۱۰) اصحاب رسول (ص) کی روایت سے ہم تک پہنچی ہے۔ صحاح میں ایسی احادیث کے لیے کوئی جگہ نہیں مل سکی۔

۱۔ ۴۹ حجرات ۶ اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تم تحقیق کر لیا کرو۔

۲۔ ۴۹ حجرات ۴   ۳۔ اقتباس از انٹرویو آیۃ اللہ عسکری

Marfat.com

۲۔ تدریجی نزول: قرآن کو ضیاع اور تحریف سے بچانے کے لیے دوسرا انتظام اس کا تدریجی نزول تھا۔ ایک متوسط حجم کی کتاب ۲۳ سالوں کی مدت میں تدریجاً نازل ہوتی رہی اور کتاب بھی ایسی، جس کا انداز کلام دوسرے کلاموں سے مختلف ہے اور جس میں روح اور سماعت دونوں کی تسکین کا سامان ہے۔ ساتھ ساتھ ابتدائے بعثت میں اسے محفوظ رکھنے کے لیے فضا نا مساعد ہے۔ آیات مختصر، با قافیہ اور مسجع ہیں۔ مثلاً:

وَالضُّحٰی ۙ وَالَّیۡلِ اِذَا سَجٰی ۙ مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی ۔ [1]

اور

اَلرَّحۡمٰنُ ۙ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ؕ خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ ۙ عَلَّمَہُ الۡبَیَانَ ۔ [2]

یہ مختصر اور مقفی آیات، حفظ کرنے کے لیے نہایت آسان ہیں۔ اس طرح قرآن کتابت کے ساتھ ساتھ سینوں میں بھی محفوظ رہا۔

بعد میں مدنی زندگی میں لکھنے پڑھنے کے وسائل فراہم ہوئے تو آیات اور قرآنی سورتیں طولانی ہونا شروع ہوگئیں۔ تدریجی نزول کی وجہ سے یہ بھی ممکن ہوا کہ قرآن نہایت آسانی کے ساتھ امت کے حوالے ہوگیا۔ یعنی جس طرح نزول قرآن تدریجی تھا، اس کی تعلیم اور امت کی طرف اس کی منتقلی بھی تدریجی تھی۔ جس روز نزول کا کام مکمل ہوا، اسی روز قرآن کی امت کی طرف منتقلی بھی مکمل ہوئی۔ چنانچہ جس مرحلے میں امت کی طرف قرآن کی منتقلی مکمل ہوئی، اسے عرضہ اخیر (آخری باز خوانی) کہتے ہیں۔

کتاب فصل الخطاب اور کتاب الفرقان: مکتب امامیہ پر عائد الزام کی ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ان کے ایک جید عالم نے تحریف قرآن کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی ہے اور اس کا نام فصل الخطاب رکھا ہے۔ حقیقت امر یہ ہے:

اولاً: ایسا واقعہ صرف امامیہ کے ہاں پیش نہیں آیا، بلکہ مصر کے ایک جید عالم علامہ ابن الخطیب المصری نے ۱۹۴۷ء میں اسی قسم کی ایک کتاب تالیف کی جس میں ضعیف اور نادر روایات جمع کر کے قرآن کی تحریف و تبدیلی اور عدم صحت الفاظ پر

---

[1] ۹۳ ضحی: ۱ تا ۳ [2] ۵۵ رحمن: ۱ تا ۴

Marfat.com

بے شمار دلائل پیش کیے۔

اس کتاب کے بارے میں جامعۃ الازہر کے کلیۃ الشریعۃ کے استاد علامہ شیخ محمد مدنی لکھتے ہیں:

یہ کہنا کہ امامیہ قرآن میں کمی واقع ہونے کے قائل ہیں، معاذ اللہ درست نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں بھی کچھ روایات ایسی ملتی ہیں جیسے ہمارے ہاں ملتی ہیں۔ دونوں فرقوں کے اہل تحقیق اس قسم کی روایات کو مسترد کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ امامیہ یا زیدیہ میں کوئی تحریف کا قائل نہیں ہے، جیسا کہ اہل سنت کے ہاں بھی کوئی ایسا شخص موجود نہیں ہے۔

ایسی روایات کا مشاہدہ کرنے کے لیے جنہیں ہم مکمل طور پر مسترد کرتے ہیں، علامہ سیوطی کی کتاب الاتقان کا مطالعہ کریں اور ایک مصری صاحب نے تو ۱۹۴۸ء میں ایک کتاب لکھ ڈالی جس کا نام الفرقان رکھا۔ اس مؤلف نے اس کتاب کو غیر معتبر، غیروں کی داخل کردہ اور مردود السند روایات سے پر کیا ہے اور ان روایات کو اہل سنت کے ہی مصادر و ماخذ سے نقل کیا ہے۔ چنانچہ جامعۃ الازہر نے اس کتاب کی ضبطی کا مطالبہ کیا اور اس کتاب کے فاسد اور باطل ہونے پر دلائل قائم کیے۔ چنانچہ حکومت نے اسے منظور کر لیا اور کتاب ضبط ہو گئی۔ مؤلف نے تاوان کے لیے دعویٰ دائر کیا تو عدالت نے اس کا یہ دعویٰ مسترد کر دیا۔ تو کیا اس کتاب کی بنیاد پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل سنت قرآن کے تقدس کے منکر ہیں؟ اور نقص در قرآن کا عقیدہ رکھتے ہیں؟ صرف ایک روایت کی بنا پر؟ یا فلاں شخص کی تالیف کردہ کتاب کی بنا پر؟

Marfat.com

شیعہ امامیہ کا حال بھی کچھ اسی طرح ہے۔[1]

ثانیاً: فصل الخطاب میں درج ساری روایات امامیہ کی طرف سے نہیں ہیں، بلکہ اس میں غیر امامیہ روایات بھی بکثرت درج ہیں جنہیں علامہ مرتضیٰ عسکریؒ نے ایک مستقل کتاب میں جدا کر کے واضح کیا ہے کہ کون کون سی روایات امامیہ مصادر سے ہیں اور کون سی غیر امامیہ سے۔[2]

ثالثاً: یہ کتاب ان روایات پر مشتمل ہے جو اصول حدیث کے اعتبار سے بے بنیاد اور مردود ہیں۔ علمائے امامیہ میں سے کوئی ایسا نہیں جو اسے مستند سمجھے۔ علماء نے اس کو کتب ضالہ میں شمار کیا ہے۔ اس کے راویوں میں:

۱۔ احمد بن محمد السیاری ہے جو کذاب، فاسد العقیدہ اور تناسخ ارواح کا قائل ہے۔ اس کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

۲۔ سهل بن زیاد

۳۔ ابراهیم بن اسحاق نهاوندی

۴۔ حسین بن حمدان الحضبی

۵۔ ابو سمینه محمد بن علی الکوفی

اور

۶۔ محمد بن سلیمان الدیلمی

جیسے ضعیف و کذاب راوی شامل ہیں، جن کی روایات کا کوئی علمی وزن نہیں ہے۔ اسی لیے فصل الخطاب کے مؤلف کے معاصرین نے اس کتاب کی رد میں کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ مثلاً:

۱۔ علامہ سید محمد حسین شہرستانی نے حفظ الکتاب الشریف عن شبهة القول بالتحریف لکھی۔

۲۔ علامہ محقق شیخ محمود تہرانی نے کشف الارتیاب فی ردّ فصل الخطاب لکھی۔

☆☆☆☆☆

---

[1] رسالة الاسلام شمارہ ۴، صفحہ ۳۸۲

[2] العسکری: القرآن الکریم و روایات المدرستین ۔ الکتاب الثالث

Marfat.com

جمع قرآن

کتابت، اسلام سے پہلے: اسلام سے پہلے عرب قوم کتابت اور تحریر و تدریس سے بالکل نابد تھی۔ چنانچہ اسلام سے پہلے مکہ میں صرف ایک فرد کتابت سے واقف تھا[1] جس کا نام حرب بن امیہ بن عبد الشمس تھا۔ دوران مسافرت اس نے مکہ سے باہر متعدد لوگوں سے کتابت سیکھی۔ ان میں بشر بن عبد الملک صاحب دومۃ الجندل بھی شامل ہے۔ یہ مکہ میں بھی آیا اور یہاں لوگوں کو کتابت سکھائی۔ چنانچہ ایک شاعر نے اس کے اس عمل کو سراہتے ہوئے کہا:

ولا تجحدوا نعماء بشر علیکم
فقد کان میمون النقیبة ازهرا

اتاکم بخط الجزم حتی حفظتم
من المال ما قد کان شتی مبعثرا[2]

جب حضور (ص) کی بعثت ہوئی تو اس وقت مکہ میں سترہ افراد کتابت جانتے تھے۔

کتابت اسلام کے بعد: کتابت چونکہ حصول علم کا ایک اہم ذریعہ ہے، اس اعتبار سے اسلام نے علم اور قلم کو باہم مقرون کیا۔ چنانچہ ابتدائے وحی میں جن تین چیزوں کا سب سے پہلے ذکر آیا ہے وہ قرائت، علم اور قلم ہیں:

اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿۳﴾ الَّذِي — پڑھیے! اور آپ کا رب بڑا کریم ہے جس
عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴﴾[3] — نے قلم کے ذریعے تعلیم دی۔

---

[1] مناهل العرفان ۱: ۲۵۵ [2] زنجانی۔ تاریخ القرآن ص۳۱ [3] ۹۶،۳ علق ۳۔۴

Marfat.com

حدیث نبوی (ص) میں ہے:

اذ کان یوم القیامة وزن مداد العلماء بدماء الشهداء فیرجح مداد العلماء علی دماء الشهداء۔[1]

قیامت کے دن علماء (کے قلم) کی سیاہی کا وزن شہداء کے خون کے ساتھ کیا جائے گا تو علماء (کے قلم) کی سیاہی شہداء کے خون سے زیادہ وزنی ثابت ہوگی۔

جنگ بدر میں ساٹھ مشرکین قیدی بنے تو رسول اکرم (ص) نے ان قیدیوں میں سے ہر ایک کا فدیہ دس مسلمانوں کو کتابت سکھانا قرار دیا۔ یوں آپ (ص) نے کتابت اور خواندگی کو آزادی کا ہم پلہ قرار دیا۔ اس واقعہ سے اسلامی تمدن کی تشکیل اور اسلام اور علم کے درمیان رشتے کی مضبوطی کا اندازہ ہوتا ہے۔

وسائل کتابت: عصر رسالت میں تدوین کتب اور رسل و رسائل کے لیے درج ذیل اشیاء لکھنے کے لیے استعمال ہوتی تھیں:

۱۔ العسب۔ کھجور کی چھال

۲۔ لخاف۔ سفید باریک پتھر

۳۔ رقاع۔ چمڑے کے ٹکڑے

۴۔ کتف۔ بکری کے شانوں کی ہڈی

۵۔ قتب۔ پالان کی لکڑی

۶۔ شظاظ۔ وہ لکڑی جس سے بورے کا منہ باندھتے ہیں

۷۔ اشار۔ چیرے ہوئے تختے

۸۔ قضیم۔ سفید چمڑا

۹۔ رق۔ پتلا چمڑا

۱۰۔ حریر۔ ریشمی کپڑا

۱۱۔ قراطیس۔ کاغذ

زیادہ تر کتابت کاغذوں اور چمڑوں پر ہوتی تھی۔ چنانچہ رسول اکرم (ص) کی طرف سے جاری شدہ امان نامے اور مختلف حکمرانوں کو لکھے جانے والے خطوط چمڑوں

---

[1] الامالی للصدوق ص ۱۶۸

Marfat.com

پر لکھے ہوئے ہیں۔ اس زمانے میں چین کاغذ سازی میں سب سے آگے تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان میں بھی کاغذ بنتا تھا جو یمن میں فروخت ہوتا تھا۔ رومی بھی کاغذ بناتے تھے جو شام میں بکتا تھا اور ایرانی بھی کاغذ تیار کرتے تھے۔ یہ عراق میں بھی ملتا تھا۔

زمانہ رسالتمآب (ص) میں مندرجہ بالا اشیاء پر کتابت ہوا کرتی تھی اور ان پر لکھے گئے قرآن کو صحیفہ کہتے تھے اور جب ان مختلف ٹکڑوں کو کتابی شکل میں جمع کیا جاتا تو اسے مصحف کہتے تھے۔

حضرت عثمانؓ کے دور میں غیر سرکاری مصاحف کے جلا دیے جانے والے واقعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس دور میں قرآن کاغذوں پر تحریر کیا جاتا تھا۔

مابین الدفتین: کھال سے بنی ہوئی جلد کو دف کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اہم دستاویزات ان پر لکھی جاتی تھیں۔ بعد میں کاغذ پر لکھا جانا شروع ہوا اور اسے محفوظ رکھنے کے لیے چمڑے کی دو جلدوں کے درمیان باندھ دیا جاتا تھا۔ ان دونوں جلدوں کو دفتین اور ان میں محفوظ کیے گئے کتابت شدہ موضوع کو ما بین دفتین کہا جاتا تھا۔

خود قرآن مجید سے یہ عندیہ ملتا ہے کہ صدر اسلام میں کتابت کے لیے لچکدار اشیاء موجود تھیں۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:

يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ...[1]	اس دن ہم آسمان کو اس طرح لپیٹ لیں گے جس طرح طومار میں اوراق لپیٹتے ہیں۔

نیز ارشاد فرمایا:

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ ...[2]	اور (اے رسول) اگر ہم کاغذ پر لکھی ہوئی کوئی کتاب (بھی) آپ پر نازل کرتے اور یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے اسے چھو بھی لیتے

مزید فرمایا:

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ[3]	جو تم کرتے تھے ہم اسے لکھواتے رہتے تھے۔

---

[1] ۲۱ انبیاء ۱۰۴ [2] ۶ انعام ۷ [3] ۴۵ جاثیہ ۲۹

Marfat.com

قرآن میں کتابت قرآن کا ثبوت: یہ بات تواتر سے ثابت ہے کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضور(ص) کسی کاتب کو بلا لیتے اور لکھنے کا حکم فرماتے اور املاء کرانے کے بعد کاتب سے فرماتے کہ جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنائے۔ کاتب سنا دیتا۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوتی تو آپ(ص) اس کی اصلاح فرما دیتے۔[1]

مشرکین مکہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ رسول اکرم (ص) لکھوایا کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والی سورہ فرقان میں ارشاد ہوا ہے:

وَقَالُوٓا اَسَاطِيۡرُ الۡاَوَّلِيۡنَ اكۡتَتَبَهَا فَهِىَ تُمۡلٰى عَلَيۡهِ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۝[2]	اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھ رکھی ہیں اور جو صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں.

قرآن مجید میں اس بات کی شہادت بھی ملتی ہے کہ آغاز نزول ہی سے قرآن ضبط تحریر میں آتا رہا ہے. چنانچہ ہجرت سے سات سال قبل نازل ہونے والی سورہ بینہ میں ارشادہ ہوتا ہے:

رَسُوۡلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتۡلُوۡا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝[3]	اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

اور سورہ عبس میں خود قرآن کے بارے میں ارشاد ہوا:

كَلَّآ اِنَّهَا تَذۡكِرَةٌ ۝ فَمَنۡ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِىۡ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرۡفُوۡعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝[4]

ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں۔ پس جو چاہے انہیں یاد رکھے۔ یہ محترم صحیفوں میں ہیں۔ جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔

مزید فرمایا:

وَالطُّوۡرِ ۝ وَكِتٰبٍ مَّسۡطُوۡرٍ ۝ فِىۡ رَقٍّ مَّنۡشُوۡرٍ ۝[5]	قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی ایک کشادہ ورق میں۔

کاتبان وحی: قرآن مجید ایک درمیانے حجم کی کتاب ہے جو تیئیس (۲۳) برسوں میں بتدریج قلب رسول (ص) پر نازل ہوتی رہی۔ بظاہر ایک دو کاتب اس کی

---

[1] مجمع الزوائد ص ۴۰ [2] ۲۵ فرقان: ۵
[3] ۹۸ بینہ: ۲ [4] ۸۰ عبس: ۱۱ تا ۱۴ [5] ۵۲ طور: ۱ تا ۳

Marfat.com

کتابت کے لیے کافی تھے، لیکن صاحب تاریخ دمشق نے کاتبان کی تعداد تئیس بتائی ہے۔ بعض مورخین کے ہاں یہ تعداد ۴۳ یا ۴۵ تک بھی پہنچ جاتی ہے۔ ان میں سے سب سے زیادہ حضرت علی (ع) اور مدنی زندگی میں حضرت زید بن ثابت کا نام سننے میں آتا ہے۔

مورخین نے جن ۴۳ یا ۴۵ افراد کے نام کاتبین وحی کے زمرے میں درج کیے ہیں، ان میں سے اکثر کے کاتب وحی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا۔

قابل غور بات یہ ہے کہ بعض اصحابؓ جو کتابت وقراءت قرآن میں ید طولیٰ رکھتے تھے اور ان میں سے کچھ کے بارے میں تو یہ بھی ثابت ہے کہ انہوں نے زمان رسول (ص) ہی میں قرآن جمع کر لیا تھا، ان کے نام کاتبین وحی کے فہرست میں نہیں ملتے۔ مثلاً انس بن مالک، منذر بن عمرو، اسید بن حضر، رافع بن مالک، ابو عبیدہ بن جراح، سعد بن عبید اور ابو الدرداء و غیرھم۔

اس کی ایک توجیہ یہ ہوسکتی ہے کہ کاتبان وحی سے مراد وہ حضرات ہیں جو رسول اللہ (ص) کے لیے لکھتے تھے۔ بالفاظ دیگر نسخہ محمدی (ص) کی تدوین کرنے کے لیے لکھتے تھے۔ ہر قرآن لکھنے اور اسے جمع کرنے والے کو کاتب وحی نہیں کہا جاتا تھا۔

ایک کاتب وحی عبد اللہ بن سعد بن ابی السرح مرتد ہوگیا تھا۔ یہ ان چھ افراد میں شامل تھا جن کے بارے میں فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ (ص) نے حکم فرمایا تھا کہ انہیں ہر حال میں قتل کر دیا جائے۔ مگر اس کے رضاعی بھائی نے اسے امان دلوا دی۔

کاتب وحی ہونا چونکہ ایک قابل فخر مقام تھا، اس لیے کچھ لوگوں نے اپنے دور اقتدار میں اپنا نام بھی اس فہرست میں شامل کروا دیا۔ مثلاً معاویہ نے فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کیا، یعنی حضور (ص) کی وفات سے صرف دو سال چھ ماہ قبل وہ مسلمانوں میں شامل ہوا، مگر اس کے باوجود ابن حجر اپنی کتاب الاصابۃ میں معاویہ کو کاتبین وحی میں شامل کرتے ہیں اور حضرت علی علیہ السلام کا ذکر تک نہیں کرتے۔ اسی طرح کچھ لوگوں نے یزید، ابوسفیان اور حصین بن نمیر (قاتل امام حسینؑ) کو بھی کاتبین وحی میں شامل کیا ہے۔

جمع و تدوین قرآن: قرآن کی جمع و تدوین نہایت اہمیت کا حامل مسئلہ ہے۔ اس پر سیر حاصل بحث و تحقیق کی ضرورت ہے کہ قرآن قلب رسول (ص) سے

Marfat.com

امت کی طرف کیسے منتقل ہوا؟ کیونکہ رسالتمآبؐ کے وصال کے بعد پیش آنے والے سیاسی و اجتماعی حالات نے اس حقیقت کو بھی غیر واضح کر دیا کہ قرآن کی جمع و تدوین کی کیا صورت تھی؟ ذیل میں ہم اس پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالیں گے۔

لفظ جمع کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

۱۔ لوح قلب میں حفظ کر لینے کو بھی "جمع" کہتے ہیں۔ چنانچہ حفاظ قرآن کو جماع القرآن بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ آیات اور سورتوں کو بلحاظ ترتیب کتابت کر کے کتابی شکل میں لانا۔

۳۔ آیات اور سورتوں کو بالترتیب کتابت کر کے کتابی صورت میں مدون کرنا۔

۴۔ متعدد قراءتوں میں سے صرف ایک قراءت پر ہی لوگوں کو متفق رکھنا۔

پہلے معنی کے مطابق قلب رسول اکرم (ص) اور قلوب آل و اصحاب رسول (ص) میں قرآن جمع اور محفوظ تھا۔

دوسرے معنی کے مطابق عصر رسالت (ص) میں جمع کردہ مختلف صحیفوں میں تحریر تھا۔

تیسرے معنی کے مطابق بھی عصر رسالتمآب (ص) میں قرآن جمع اور مدون ہوا تھا۔

چوتھے معنی کے اعتبار سے قرآن کو عصر حضرت عثمانؓ میں ایک ہی قراءت پر مجتمع کیا گیا۔

اب ان موضوعات پر ہم قدرے تفصیل سے گفتگو کریں گے۔

حفظ قرآن: جمع قرآن بمعنی حفظ، عہد رسالت (ص) میں یقیناً ہوتا رہا ہے۔ اس میں کسی شک و تردید کی گنجائش نہیں اور نہ ہی کسی دلیل و برہان کی ضرورت ہے۔ البتہ ہم یاد دہانی کے لیے چند شواہد کا ذکر کرتے ہیں:

۱۔ جمع و حفظ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ	(اے نبی) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں

Marfat.com

وَ قُرْاٰنَهٗ[1] — اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔

علامہ طبرسی نے مجمع البیان میں اس کا مفہوم بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

ان علینا جمعه و قرآنه علیك حتی تحفظه و یمکنك تلاوته فلا تخف فوت شی منه۔[2] — قرآن کا جمع کرنا اور آپ کو پڑھانا ہمارے ذمے ہے تاکہ آپ قرآن کی تلاوت کر سکیں۔ لہٰذا آپ قرآن کے کسی حصے کے رہ جانے کی فکر نہ کریں۔

نیز قرآن میں ارشاد ہوا:

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤی اِلَیْكَ وَحْیُهٗ ؗ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا[3] — اور آپ پر ہونے والی اس کی وحی کی تکمیل سے پہلے قرآن پڑھنے میں عجلت نہ کریں اور کہہ دیا کریں: پروردگارا! میرے علم میں اضافہ فرما۔

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰۤی[4] — (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

حضور (ص) پر جب وحی نازل ہوتی تو آپ (ص) وحی کے مکمل ہونے سے قبل ہی آیت کی تلاوت شروع کر دیتے تاکہ آیت رہ نہ جائے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت ہوئی کہ ہم آپ کو پڑھائیں گے تو پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

۲۔ سینۂ رسول (ص) میں قرآن محفوظ ہونے اور اس کی حفاظت اللہ تعالیٰ کے خود اپنے ذمے لینے کے بعد دوسرا مرحلہ سینۂ رسولؐ سے امت کے سینوں میں اس کی منتقلی کا تھا۔ اس مرحلے میں تحفظ قرآن کو یقینی بنانے کے لیے رسول اسلام (ص) نے متعدد اقدامات فرمائے۔

الف۔ حافظان قرآن کی تربیت: رسالتمآب (ص) نے قرآن مجید کو امت کے سینوں میں منتقل کرنے کے لیے حافظان قرآن کی وسیع پیمانے پر تربیت فرمائی۔ چنانچہ عصر رسالت (ص) میں ہی حافظان قرآن کی تعداد اس قدر زیادہ ہوگئی

---

[1] ۷۵ قیامت: ۱۶۔ ۱۷ [2] تفسیر مجمع البیان للطبرسی ۱۰: ۵۰۴ [3] ۲۰ طٰہٰ ۱۱۴
[4] ۸۷ اعلیٰ: ۶

Marfat.com

تھی کہ نام بنام انہیں شمار کرنا ممکن نہیں ہے۔[1]

بعض محققین کے مطابق عصر رسول (ص) اور اس سے متصل زمانے میں حافظان قرآن کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی تھی۔

اجتماعی حفظ: جو لوگ پورے قرآن کو حفظ نہیں کر سکتے تھے وہ آپس میں مل کر قرآن کو تقسیم کر لیتے اور ہر فرد چند سورتیں حفظ کر لیتا اور بعد میں مل کر ختم قرآن کرتے تھے۔[2]

مستشرق بلاشر حفظ قرآن اور جمع قرآن میں اشتباہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ حافظان قرآن کی تعداد سات سے زیادہ نہیں تھی، حالانکہ متعدد روایات سے جامعین قرآن کی تعداد عصر رسالت (ص) میں سات معلوم ہوتی ہے، جب کہ حافظان قران کی تعداد تو حد و شمار سے باہر ہے۔

چنانچہ سن ۴ ہجری میں رسول اللہ (ص) نے قبیلہ بنی عامر کو قرآن کی تعلیم دینے کے لیے اپنے اصحاب میں سے ستر افراد کو روانہ فرمایا تھا جو سب کے سب حافظان قرآن تھے۔ حافظان قرآن کا یہ قافلہ جب بئر معونہ کے مقام پر پہنچا تو کفار نے انہیں گھیر کر سب کو شہید کر دیا۔ اس واقعے سے حضور (ص) کو اس قدر صدمہ ہوا کہ آپ (ص) ایک ماہ تک قنوت نماز میں قاتلوں پر نفرین فرماتے رہے۔ یہیں سے نماز میں قنوت بھی سنت قرار پائی۔

اسی سال حضور (ص) نے دس حافظان قرآن کو بنی عضل و قارہ میں قرآن کی تعلیم کے لیے روانہ فرمایا۔ جب یہ لوگ رجیع کے مقام پر پہنچے تو کفار نے انہیں گھیر لیا اور شہید کر دیا۔ اسی طرح غزوہ احد میں چوہتر (۷۴) مسلمان شہید ہوئے جن میں خاصی تعداد حافظان قرآن کی تھی۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد حکومت میں جنگ یمامہ میں ستر (۷۰) حافظان قرآن شہید ہوئے تھے۔ جب کہ ایک اور روایت کے مطابق ان کی تعداد چار سو تھی۔ لیکن ابن کثیر کا خیال ہے کہ یہ تعداد پانچ سو تھی۔[3]

بعض مصادر سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ صفین میں تیس ہزار (۳۰۰۰۰)

---

[1] البیان امام خوئی ص ۲۴۶ [2] رامیار۔ تاریخ القرآن [3] فضائل القرآن ص ۹

Marfat.com

قاریان قرآن شریک تھے۔[1]

قوت حافظہ: عربوں کی قوت حافظہ اس قدر قوی تھی کہ ساٹھ ستر بند پر مشتمل اشعار دو یا تین مرتبہ سننے کے بعد حفظ کر لیتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ سادہ غیر متمدن اور صحرائی زندگی بسر کرتے تھے۔ ان کی زندگیوں میں کوئی پیچیدگی نہیں تھی اور نہ ہی اس سادہ اور باقی دنیا سے منقطع ماحول میں ان کے اذہان میں معلومات کا کوئی اژدھام تھا۔ اس لیے قرآن پاک جیسے پرکشش اور روح پرور کلام کا حفظ کرنا ان کے لیے نہایت آسان کام تھا۔

حافظان قرآن کا مقام: عصر رسالتمآب (ص) میں حافظان قرآن کو ایک ممتاز مقام حاصل تھا۔ چنانچہ اگر جنگ میں کوئی حافظ قرآن شہید ہو جاتا تو سب سے پہلے اسے دفن کیا جاتا تھا۔ امام جماعت کے لیے قراءت قرآن معیار تھا، بلکہ اس سے بھی قابل توجہ بات یہ ہے کہ حفظ قرآن کے معیار پر سالار لشکر بنایا جاتا تھا۔

> جب رسول خدا (ص) نے اسامہ بن زید کو امیر لشکر بنایا تو بعض صحابہ نے تعجب کیا اور کہا کہ وہ اس نوعمری میں اس منصب کی اہلیت نہیں رکھتا تو حضور (ص) نے اسامہ کے اس منصب کے اہل ہونے کے اوصاف بیان فرمائے جن میں سے ایک یہ تھا کہ اسامہ کو قرآن کا ایک حصہ حفظ ہے۔[2]

اسی طرح عثمان بن ابی العاص کو قرآن حفظ ہونے کی وجہ سے طائف کا امیر مقرر کیا گیا۔

ب۔ نماز اور قرآن: حضور (ص) نے تحفظ قرآن کو یقینی بنانے اور اسے امت کے سینوں میں محفوظ رکھنے کے لیے قراءت قرآن کو نماز کے ساتھ جو کہ دین کا ستون ہے، مربوط فرمایا۔ چنانچہ خود رسالتمآب (ص) نمازوں میں بالعموم اور نماز تہجد کی صرف ایک رکعت میں بالخصوص سورہ بقرہ اور آل عمران جیسی طویل سورتوں کی تلاوت فرماتے تھے۔[3] حذیفہ بن یمان کہتے ہیں کہ ایک شب میں نے حضور (ص) کے ساتھ

---

[1] منقری۔ صفین ص ۱۸۸ [2] ابن سعد طبقات ۲، ۱۳۶ قسم اول [3] [illegible]

Marfat.com

ساتھ نماز پڑھی تو رسول اللہ (ص) نے سورہ بقرہ سے تلاوت شروع فرمائی۔ پھر سورہ نساء کی تلاوت فرمائی۔ پھر سورہ آل عمران کی تلاوت فرمائی۔ حضور (ص) نماز میں اس قدر قرآن کی تلاوت فرماتے تھے کہ پاؤں پر ورم آ جاتا تھا۔[1]

صرف نماز میں ہی نہیں بلکہ رات ہو یا دن جب بھی فرصت میسر ہوتی آپ (ص) قرآن کی تلاوت فرماتے تھے۔ حتیٰ کہ سفر میں بھی اور سواری کی پشت پر بھی تلاوت قرآن فرمایا کرتے۔[2] محاذ جنگ پر بھی آپ (ص) باآواز بلند تلاوت قرآن فرماتے تھے۔[3]

چنانچہ تلاوت قرآن کو سب سے افضل عبادت قرار دیا گیا۔

ج۔ تعلیم قرآن: دعوت اسلامی کے ساتھ ساتھ تعلیم قرآن کا عمل بھی نہایت اہتمام سے شروع ہوا۔ بیعت عقبہ کے بعد حضور (ص) نے مصعب بن عمیر کو مدینہ میں تعلیم قرآن کے لیے معلم قرآن کے طور پر متعین فرمایا۔[4]

بخاری کی روایت کے مطابق مدینہ میں تعلیم قرآن کے لیے سب سے پہلے مصعب بن عمیر اور ابن ام مکتوم مامور ہوئے۔ بعد میں عمار اور بلال کو تعلیم قرآن کے لیے بھیجا گیا۔[5]

مدینہ میں تعلیم قرآن کے عمل کو وسیع پیمانے پر آگے بڑھایا گیا اور معلم اول کے طور پر رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اصحاب کرام کو بذات خود قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔

ایک مرتبہ عبد اللہ بن مسعود نے کوفہ میں اپنے ساتھیوں سے کہا:
میں نے خود رسول اللہ (ص) سے ستر (۷۰) سورتیں پڑھی ہیں۔[6]
عبد اللہ بن عباس کہتے ہیں:
رسول اللہ (ص) ہمیں تشہد کی تعلیم اس طرح دیتے تھے جس طرح قرآن کی تعلیم دیا کرتے تھے۔
ابی بن کعب کہتے ہیں:

۱۔ صحیح البخاری: باب تہجد
۲و۳۔ رامیار: تاریخ قرآن ص۲۲۴ بحوالہ مفتاح کنوز السنۃ
۴۔ ابن ہشام السیرۃ النبویۃ ۲: ۷۶
۵۔ زنجانی۔ تاریخ القرآن ص۴۶
۶۔ تفسیر طبری ۱: ۲۸

Marfat.com

میں مسجد میں داخل ہوا تو ایک شخص قرآن پڑھ رہا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا: تمہیں کس نے قرآن پڑھایا؟ اس نے بتایا: [illegible] رسول اللہ (ص) نے۔[1]

شیخ طوسی اپنی کتاب الامالی میں لکھتے ہیں کہ ابن مسعود نے [illegible] (۷۰) سورتیں خود رسول اللہ (ص) سے تعلیم پائیں اور باقی قرآن حضرت علی [illegible] سے۔[2]

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ (ص) اپنے شاگردوں [illegible] قرآن پڑھانے کے بعد ان سے سنا بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اصحاب، رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پورا قرآن بھی ختم کیا کرتے تھے۔

ابن مسعود سے روایت ہے کہ رسول اللہ (ص) نے مجھ سے فرمایا:

قرأ علیّ قال فقتحت سورة النساء فلما بلغت فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا رأیت عینیہ تذرفان من الدمع فقال لی حسبک الآن۔	مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ [illegible] سورۂ نساء کو کھولا اور جب اس آیت پر پہنچا: "پس (اس دن) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور (اے رسول) آپ کو ان لوگوں پر گواہ پیش کریں گے" تو رسول اللہ کی آنکھیں پرنم ہو گئیں اور فرمایا: اب بس کرو۔[3]

مسجد رسول (ص) ہمیشہ قاریان قرآن سے بھری رہتی تھی۔ یہاں تک کہ حضور (ص) کو کہنا پڑتا کہ لوگو! قرآن آہستہ پڑھو تا کہ آوازوں میں اختلاط پیدا نہ ہو۔

دار القراء: مدینے میں قاریان قرآن کی تعداد میں بکثرت اضافے سے مسجد اور صفہ میں گنجائش نہ رہی تو قاریان قرآن مخرمہ کے گھر جمع ہونے لگے۔ چنانچہ اس گھر کا نام ہی دار القراء پڑ گیا۔ یہ تاریخ میں سب سے پہلا دار القراء ہے۔

عبادہ بن ثابت ناقل ہیں کہ جب رسول اللہ (ص) خود تعلیم نہیں دیتے تھے تو ہم میں سے کسی کو حکم فرماتے کہ دور سے آنے والوں کو تعلیم قرآن دیں۔

---

[1] العطار، موجز علوم القرآن [2] الامالی للطوسی ص ۲۰۲۔ بحار الانوار ۸۹ ص ۲
[3] مستدرک الوسائل ج ۴ ص ۲۳۸۔ العطار، موجز علوم القرآن ص ۴۶ [illegible]
* اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم عصر رسالتمآب میں کتابی شکل میں موجود تھا ورنہ "ختم" کا لفظ استعمال نہ ہوتا۔

Marfat.com

آپ (ص) نے تعلیم قرآن کو اس قدر اہمیت دی کہ عورتوں کے حق مہر میں بھی قرآن کی ایک یا چند سورتوں کی تعلیم قرار دی جانے لگی تھی۔

عشق قرآن: شاگردان رسول (ص) کے دلوں میں قرآن مجید نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا کہ قرآن کی تلاوت جان سے بھی زیادہ عزیز ہو گئی تھی۔ چنانچہ ایک واقعہ اس امر پر شاہد ہے:

ایک جنگ میں ایک مسلمان نے ایک عورت کو اسیر بنایا جس کا شوہر موقعے پر موجود نہ تھا۔ شوہر کو جب پتہ چلا تو اس نے قسم کھائی کہ محمد (ص) کے ساتھیوں سے اس کا بدلہ ضرور لوں گا۔ چنانچہ وہ لشکر رسول (ص) کے تعاقب میں نکلا۔ ادھر رسول اللہ (ص) کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ ایک درے میں رات گزارنے کا ارادہ تھا۔ چنانچہ آپ (ص) نے حضرت عمار اور عباد بن بشر انصاری کو درے کی محافظت سونپی۔ دونوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ آدھی رات عباد محافظت کریں گے اور باقی آدھی رات عمار۔ چنانچہ عمار آرام کرنے لگے اور عباد عبادت میں مشغول ہو گئے۔ وہ کافر مسلمانوں کے تعاقب میں اس درے تک پہنچ گیا۔ اس نے عباد کو نماز کی حالت میں دیکھ کر ایک تیر ان کی طرف پھینکا جو ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ عباد نے تیر کو جسم سے نکالا اور نماز کو جاری رکھا۔ اس کافر نے ایک اور تیر پھینکا، وہ بھی ان کے جسم میں پیوست ہو گیا۔ انہوں نے اسے بھی جسم سے نکالا مگر نماز جاری رکھی۔ جب تیسری بار بھی تیر لگا تو عباد نے جلدی جلدی سے رکوع و سجود کو پورا کیا اور عمار کو بیدار کیا۔ ان کے بیدار ہوتے ہی کافر نے راہ فرار اختیار کی۔ عمار نے اپنے ساتھی کو خون میں لت پت دیکھ کر کہا کہ مجھے شروع میں ہی

Marfat.com

بیدار کر لیتے۔ عباد نے جواب دیا: میں قرآن کی تلاوت کر رہا تھا اور اسے قطع کرنا میرے لیے ناگوار تھا، لیکن جب تیر پے در پے آنا شروع ہوئے تو میں نے نماز جلدی تمام کی اور آپ کو بیدار کیا۔ خدا کی قسم اگر حکم رسول (ص) کی خلاف ورزی کا خوف اور قوم کی پاسبانی میں کوتاہی کا ڈر نہ ہوتا تو چاہے میری جان چلی جاتی میں سورت کی تلاوت کو قطع نہ کرتا۔[1]

دقیق نظر: عمر بن عامر انصاری راوی ہے:

حضرت عمرؓ نے اس آیت کی یوں تلاوت کی وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ[2] .... اس میں انہوں نے الانصار کی راء کو پیش دے دیا اور الذین سے پہلے واؤ کا ذکر نہ کیا تو حضرت زید بن ثابت نے تصحیح کی اور وَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ پڑھا تو حضرت عمرؓ نے کہا: امیر المومنین بہتر جانتے ہیں اور کہا ابی بن کعب کو بلایا جائے۔ ابی بن کعب سے دریافت کیا تو انہوں نے واؤ کے ساتھ و الذین پڑھا تو دونوں نے ایک دوسرے کی ناک کی طرف اشارہ کیا، تو اُبی نے کہا: خدا کی قسم رسول اللہ (ص) نے یہ آیت اس وقت مجھے پڑھائی جب تو گندم بیچ رہا تھا۔[3]

عصر رسول (ص) کے مؤمنین جب رسول اللہ (ص) سے ایک آیت یا سورہ سنتے تو اسے بار بار پڑھتے، پھر رسول خدا (ص) کی خدمت میں حاضر ہو کر سناتے اور تصدیق کراتے۔ چنانچہ خارجہ بن زید نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ جب رسول اللہ (ص) مدینہ تشریف لائے تو اس وقت تک میں نے سترہ سورتیں یاد کر لی تھیں۔ میں نے وہ رسول اللہ (ص) کی خدمت میں پڑھیں تو آپ نے تحسین فرمائی۔[4]

---

[1] حیات القلوب ۲:۳۸۹ و رامیار، تاریخ القرآن ص ۲۴۱   [2] ۹ توبہ: ۹۹
[3] زنجانی۔ تاریخ القرآن ص ۴۳   [4] حوالہ سابق ص ۴۵

Marfat.com

تدوین قرآن: کوئی کلام کسی متکلم کی طرف اس وقت منسوب ہو سکتا ہے جب کلمات اور ان کی ترکیب و تنظیم اس کی طرف سے ہو۔ اگر منتشر کلمات کسی طرف سے اور تنظیم و ترتیب کسی اور کی جانب سے ہو تو یہ کلام اس کا شمار ہوگا جس نے اسے ترتیب دیا ہوگا۔

اسی طرح قرآن مجید کے کلمات بھی اللہ کی جانب سے ہیں اور ان میں موجود ترتیب و تنظیم بھی اللہ ہی کی طرف سے ہے، بلکہ قرآن کے معجزۂ الٰہی ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ قرآن کے کلمات اور اس کی ترتیب و اسلوب میں وہ ہم آہنگی ہے جو کسی بشر سے صادر ہونا ممکن نہیں۔

لیکن کس قدر مقام افسوس ہے کہ اس کے باوجود غیر شیعہ علماء فرماتے ہیں:

عبد اللہ بن مسعود نے کہا: سورہ قارعہ میں العھن کی جگہ الصوف پڑھ سکتے ہیں۔[1]

اسی طرح وہ حضرت ابوبکرؓ کی طرف نسبت دیتے ہیں کہ انہوں نے کہا:

جاء سکرۃ الموت بالحق کی جگہ جاء سکرۃ الحق بالموت پڑھ سکتے ہیں۔[2]

یا

طعام الاثیم کی جگہ طعام الفاجر پڑھا جا سکتا ہے۔[3]

یہاں تک کہ مؤلف کتاب المصنف نے جلد ۱۱ کے ص ۲۱۹ پر یہ تک کہہ دیا کہ بغرض وضاحت کلمات قرآن تبدیل کرنا جائز ہے۔

ترتیب آیات: قرآن کے جمع و ترتیب کے چند مراحل ہیں۔ چونکہ قرآن سورہ سورہ نازل نہیں ہوا، بلکہ آیہ آیہ نازل ہوا ہے۔ لہٰذا جمع و ترتیب میں پہلے آیات کی ترتیب پر تحقیق کی جانی چاہیے، بعد ازاں سورتوں کی ترتیب پر۔

اس بات پر نہایت قابل توجہ دلائل موجود ہیں کہ ترتیب آیات توقیفی ہے۔ یعنی بحکم خدا خود رسول کریم (ص) کی طرف سے آیات کی ترتیب عمل میں آئی ہے اور

---

۱ ابن قتیبہ۔ تاویل مشکلات القرآن ص ۱۹

۲ تفسیر الطبری ۲۶: ۱۶۰

۳ طبری، تفسیر ۲۶: ۱۰۰

Marfat.com

یہی ترتیب بہ تواتر ہم تک پہنچی ہے:

۱۔ حضور (ص) کاتبانِ وحی کو صرف آیات کی کتابت کا حکم نہیں دیتے تھے، بلکہ ساتھ ہی ترتیب بھی بتا دیتے تھے کہ کس آیت کو کس جگہ لکھنا ہے۔

ابن عباس راوی ہیں:

كان جبرئيل إذا نزل على النبي بالوحي يقول له ضع هذه الآية في سورة كذا في موضع كذا۔[1]

جب جبرئیل وحی لے کر رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے تو کہتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورہ میں فلاں مقام پر رکھیے۔

ابن عباس ہی سے روایت ہے:

فكان إذا نزل عليه الشيء دعا من كان يكتب فيقول: ضعوا هذه الآيات في السورة التي يذكر فيها كذا وكذا۔[2]

جب حضور پر کوئی آیت نازل ہوتی تو کاتب کو بلا کر فرماتے: ان آیات کو اس سورے میں رکھو جس میں فلاں (چیز کا) ذکر ہے۔

ابن عباس اور سدی کے نزدیک سب سے آخری آیت واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ ہے، مگر جبرائیل نے یہ حکم دیا کہ اسے سورۂ بقرہ کی ۲۸۰ ویں آیت کے بعد لکھا جائے۔[3]

احمد بن حنبل اپنی مسند میں ایک صحابی سے روایت نقل کرتے ہیں:

میں رسول خدا (ص) کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ حضور (ص) نے اپنی نگاہ اوپر اٹھائی، پھر نگاہ سیدھی کر کے فرمایا: ابھی میرے پاس جبرائیل نازل ہوئے اور یہ حکم سنایا کہ میں آیت ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی[4] کو اس سورے کے فلاں مقام پر رکھوں۔ چنانچہ آپ نے اس آیت کو سورۂ نحل میں آیۂ شہادت اور آیۂ عہد کے

۱۔ تاریخ یعقوبی ۲: ۳۶ ۲۔ طبرسی، مجمع البیان ۱: ۳۹۴ ۳۔ ... ۱۲: ... ۹۰

Marfat.com

درمیان ثبت کر دیا۔[1]

۳۔ ترتیب توقیفی نہ ہوتی تو پھر اصولاً یہ مسئلہ اجتہاد پر مبنی ہوتا۔

۴۔ قرآنی سورتوں میں آیات کی تعداد کے بارے میں بھی رسول کریم (ص) کی طرف سے بعض صراحتیں ہم تک پہنچی ہیں۔ مثلاً سورۃ فاتحہ کے بارے میں کہ یہ سات آیات پر مشتمل ہے۔ پس عدد آیات توقیفی ہونے کی صورت میں ترتیب کا توقیفی ہونا بھی قرین عقل ہے۔

ترتیب آیات وترتیب نزول: یہ بات ایک واضح حقیقت ہے کہ موجودہ قرآن میں آیات جس ترتیب سے درج ہیں، وہ ترتیب نزولی کے مطابق نہیں ہے کیونکہ ترتیب نزولی، وقت نزول کے تقاضوں کے مطابق ہے اور ترتیب قرآن، نظام قرآن کے تقاضوں کے مطابق ہے۔

اس کی وضاحت کے سلسلے میں چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ شروع میں شوہر کی وفات کی صورت میں عورت کے لیے ایک سال کی عدت واجب تھی اور پورا سال شوہر کے گھر سے نکلنا جائز نہ تھا نیز عورت کو شوہر سے میراث میں صرف ایک سال کا خرچہ ہی ملتا تھا۔ اس کا حکم اس طرح نازل ہوا تھا:

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ ....[2]	اورتم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں انہیں چاہیے کہ وہ اپنی بیویوں کے بارے میں وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک انہیں (نان ونفقہ سے) بہرہ مند رکھا جائے اور گھر سے نہ نکالی جائیں...

مذکورہ بالا آیت کا حکم اسی سورہ کی اس سے پیشتر آنے والی ایک آیت کے ذریعے منسوخ ہو گیا، جس میں ارشاد فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ	اورتم میں سے جو وفات پا جائیں اور بیویاں

---

۱ مسند احمد بن حنبل ۴ : ۲۱۸ ۔ اسی مضمون سے قریب تر دیگر احادیث مسند احمد جلد اول ص ۵۷ ۔ ۶۹ ۔ سنن ابو داؤد ۱ : ۲۰۹، مستدرک حاکم ج ۲ ص ۲۲۱ پر ملاحظہ فرمائیں

۲ ۲ بقرۃ: ۲۴۰

Marfat.com

اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ	چھوڑ جائیں تو وہ بیویاں چار ماہ دس دن
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ...[1]	اپنے آپ کو انتظار میں رکھیں۔

یہاں ترتیب نزولی کے مطابق پہلی آیت بعد میں نازل ہوئی ہے، کیونکہ یہ ناسخ ہے مگر قرآنی ترتیب میں ناسخ کا ذکر پہلے اور منسوخ کا ذکر بعد میں آیا ہے۔

۲۔ ابن عباس، سدی، جبائی اور بلخی کے مطابق آیہ: ... اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ...[2] کے بعد کوئی فرض حکم نازل نہیں ہوا۔ حضرت امام محمد باقر اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے۔ چنانچہ سدی کے الفاظ یہ ہیں:

لم ینزل بعدها حلال و لا حرام۔[3]	اس آیت کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔

حالانکہ یہ آیت اب سورہ مائدہ میں درج ہے اور اس کے بعد بے شمار آیات احکام موجود ہیں۔

۳۔ آیہ: اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ...[4] صلح حدیبیہ کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب مسلمانوں کے لیے حج کرنا ممکن ہوا۔ جب کہ یہ آیت سورہ بقرہ میں درج ہے جو کہ مدینے میں نازل ہونے والا سب سے پہلا سورہ ہے۔

۴۔ آیہ: وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ .... بقولے سب سے آخر میں اتری ہے اور اگر سب سے آخر میں نہیں تو اواخر میں یقیناً ہے۔ جب کہ اب یہ سورہ بقرہ کی ۲۸۱ ویں آیت ہے۔

ترتیب سورہ ہائے قرآن: گزشتہ صفحات میں یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ قرآن کی آیات کی ترتیب عہد رسالت (ص) میں پایہ تکمیل کو پہنچ چکی تھی اور یہ بات بھی عیاں ہوگئی ہے کہ سورتوں کے نام اور ان کی آیات کی تعداد بھی اسی عہد بابرکت میں طے پا چکی تھی۔

---

[1] ۲ بقرہ: ۲۳۴

[2] ۵ مائدہ: ۳۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین کامل کر دیا ہے اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔

[3] سیوطی۔ الدر منثور ۲: ۲۵۹ [4] ۲ بقرہ: ۱۵۸۔ صفا و مروہ یقیناً اللہ کے شعائر میں سے ہیں۔

Marfat.com

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

و انما کان یعرف انقضاء السورة بنزول بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم ابتداء لاخری۔[1]	کسی سورت کے ختم ہونے کا اس وقت پتہ چلتا تھا جب کسی اور سورت کی ابتدا کے لیے بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نازل ہو جاتی تھی۔

لیکن اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا سورہ ہائے قرآن کی ترتیب توقیفی ہے؟ یعنی خود رسول اللہ (ص) نے بحکم خدا سورتوں کو ترتیب دیا ہے یا عصر رسالت (ص) کے بعد اصحاب نے اپنے اجتہاد سے انہیں مرتب کیا ہے؟

ایک نظریہ تو یہ ہے کہ چونکہ عصر رسالت (ص) میں ہنوز سلسلۂ وحی جاری تھا، اس لیے قرآن کو ایک مصحف کی شکل دینا قبل از وقت تھا۔ اس کام کو بعد از رسالت انجام پانا تھا۔ چنانچہ بعد میں اپنے اپنے سلیقے کے مطابق لوگوں نے سورہ ہائے قرآن کو مرتب کیا۔

اس پر مزید دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اصحاب کے پاس متعدد قرآن موجود تھے۔ ہر مصحف کی ترتیب، دوسرے مصحف سے مختلف تھی اور کہتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کا مصحف ترتیب نزول کے مطابق تھا، جب کہ دیگر اصحاب کے مصاحف اس سے مختلف تھے۔

دوسرا نظریہ یہ ہے کہ قرآن کی موجودہ ترتیب و تدوین خود عہد رسالتمآب (ص) میں مکمل ہوگئی تھی۔ جس طرح آیات کی ترتیب آپ (ص) نے خود اپنی نگرانی میں مقرر فرمائی تھی، اسی طرح سورتوں کی ترتیب کو بھی آپ (ص) نے ہی مقرر فرمایا تھا۔ سید مرتضیٰ علم الہدیٰ متوفی ۴۳۶ھ فرماتے ہیں:

> موجودہ شکل میں قرآن کی جمع آوری عصر رسالت (ص) میں ہی ہوگئی تھی۔

لیکن یہ مؤقف اختیار کیا جا سکتا ہے کہ ترتیب سورہ ہائے قرآن توقیفی نہیں ہے۔ کیونکہ سورہ ہائے قرآن کی ترتیب اور کسی سورے کے مقدم اور مؤخر ہونے میں نظم

---

[1] مستدرک الوسائل ۴: ۱۶۵

Marfat.com

قرآن کے ساتھ ربط نہیں ہے۔ اس لیے نماز میں آیات کو موجودہ ترتیب کے ساتھ تلاوت کرنا ضروری ہے، جبکہ سورہ ہائے قرآن کو موجودہ ترتیب کے ساتھ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ کوئی مؤخر سورہ نماز میں مقدم اور مقدم سورہ مؤخر کر کے بھی دوسری رکعت میں پڑھنا درست ہے۔

جمع قرآن در عصر رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہا جاتا ہے کہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں قرآن کتابی شکل میں مدون نہیں تھا، البتہ بعد از رسول (ص) عصر ابی بکرؓ میں زید بن ثابت کی سربراہی میں صرف دو گواہوں کی گواہی کی بنیاد پر جمع ہوا۔

اس نظریے پر ہم بعد میں تحقیقی نظر ڈالیں گے۔ پہلے ہم اس بات کی تحقیق کریں گے کہ کیا عصر رسالت (ص) میں قران کتابی شکل میں مدون تھا؟

اس بات پر بے شمار دلائل موجود ہیں کہ قرآن مجید عصر رسول (ص) میں ہی کتابی شکل میں مدون تھا۔ ہم ان میں سے چند ایک دلائل پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ **فریضۂ الٰہی**: جس طرح خود رسول کریم (ص) کو لوگوں کے گزند سے بچانے کا کام خداوند عالم نے خود اپنے ذمے لیا اور فرمایا:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔۔۔[1] اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔

بالکل اسی طرح قرآن کو جمع اور محفوظ کرنا اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمے لیا اور فرمایا:

اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۚ[2] (اے رسول) آپ وحی کو جلدی (حفظ) کرنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں۔ اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا یقیناً ہمارے ذمے ہے۔

نیز یہ ارشاد الٰہی بھی ہے:

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ ۙ[3] (عنقریب) ہم آپ کو پڑھائیں گے پھر آپ نہیں بھولیں گے۔

۱۔ ۵ مائدہ ۶۷ ۔ ۲۔ ۷۵ قیامت: ۱۶ ۔ ۱۷ ۔ ۳۔ ۸۷ اعلیٰ ۶

Marfat.com

۲۔ کاتبان وحی: قرآن مجید ایک متوسط حجم کی کتاب ہے جو ۲۳ سالوں میں رسول خداؐ پر نازل ہوئی۔ بظاہر ایک دو کاتب اس کی کتاب کے لیے کافی تھے۔ مگر بعض مورخین کے ہاں اس کے کاتبوں کی تعداد چالیس تک بیان کی گئی ہے۔

رسول کریم (ص) وحی کو اہتمام کے ساتھ بالالتزام لکھوایا کرتے تھے۔ جو کچھ لکھا جاتا تھا کیا اسے ہر کاتب وحی اپنے ساتھ لے جاتا تھا؟ اور کیا قرآن متعدد کاتبان وحی کے پاس منتشر اور متفرق صورت میں موجود تھا؟ اور کیا رسول اللہ (ص) کے پاس قرآن مدون شکل میں موجود نہ تھا؟ یہ باتیں نہایت بعید از عقل و قیاس ہیں۔

کاتبان وحی سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ رسول اللہ (ص) کے لیے کتابت کیا کرتے تھے۔ ذاتی طور پر اپنے لیے کتابت قرآن کرنے والوں کو کاتبان وحی کا منصب نہیں دیا جاتا۔

زید بن ثابت کہتے ہیں:

کنا حول رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ (و آلہ) و سلم نؤلف القرآن من الرقاع۔[1]	ہم رسول اللہؐ کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف ٹکڑوں سے قرآن کی جمع و تدوین کیا کرتے تھے۔

چنانچہ یہ قرآن خانہ رسول (ص) میں موجود تھا اور آپ (ص) نے اپنی وفات کے قریب حضرت علی (ع) کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

یا علی القران خلف فراشی فی الصحف و الحریر و القراطیس فخذوہ و اجمعوہ و لا تضیعوہ۔[2]	اے علی (ع)! قرآن میرے بستر کے عقب میں مختلف صحیفوں پر ابریشم اور کاغذوں کی صورت میں موجود ہے، پس اسے لے لو اور جمع کر لو اور اسے ضائع نہ ہونے دو۔

ابوعبداللہ محاسبی کہتے ہیں:

> خانہ رسالتمآب (ص) میں کچھ اوراق پائے گئے جن پر قرآن مجید تحریر تھا کسی نے انہیں جمع کیا اور ایک دھاگے میں سب

---

[1] حاکم مستدرک ۲: ۲۲۹ [2] بحار الانوار: کتاب القرآن ۸۹: ۴۸۔ تفسیر قمی ۲: ۴۵۱

Marfat.com

اوراق کو پرو دیا تاکہ کوئی حصہ ضائع نہ ہو جائے۔[1]

۳۔قرآن سے کتابت قرآن کا ثبوت: مشرکین مکہ کو اس بات کا اعتراف تھا کہ رسول اکرم(ص) کاتبوں سے قرآن لکھوایا کرتے تھے۔ چنانچہ مکہ میں نازل ہونے والے سورۂ فرقان میں ارشاد ہوا:

وَقَالُوْۤا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا ○[2]	اور کہتے ہیں: (یہ قرآن) پرانے لوگوں کی داستانیں ہیں جو اس شخص نے لکھ رکھی ہیں اور جو صبح و شام اسے پڑھ کر سنائی جاتی ہیں۔

دیگر قرآنی آیات سے بھی اس بات کی شہادت مل جاتی ہے کہ آغاز نزول قرآن سے ہی قرآن ضبط تحریر میں آنے لگا تھا۔ چنانچہ ہجرت سے سات سال قبل نازل ہونے والے سورۂ بینہ میں ارشاد ہوتا ہے:

رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ يَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ○[3]	اللہ کی طرف سے ایک رسول جو انہیں پاک صحیفے پڑھ کر سنائے۔

اور سورۂ عبس میں فرمایا گیا:

كَلَّاۤ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۘ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۙ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۙ[4]	ہرگز نہیں! یہ (آیات) یقیناً نصیحت ہیں. پس جو چاہے انہیں یاد رکھے. یہ محترم صحیفوں میں ہیں جو بلند مرتبہ پاکیزہ ہیں۔

اور سورۂ طور میں ارشاد الٰہی ہے:

وَالطُّوْرِ ۙ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۙ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۙ[5]	قسم ہے طور کی اور لکھی ہوئی کتاب کی، ایک کشادہ ورق میں۔

قرآن کی کتابت اور تدوین آغاز وحی کے ساتھ ہی مکہ میں ہی شروع ہو جانے پر خود قرآنی شواہد کے علاوہ بے شمار تاریخی شواہد بھی موجود ہیں کہ جب بھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو حضور(ص) کسی ایک کاتب کو بلا کر لکھنے کا حکم فرماتے۔ چنانچہ املا فرمانے کے بعد کاتب سے فرماتے: ''جو کچھ لکھا ہے وہ پڑھ کر سنا دو۔'' کاتب سنا

---

[1] البرهان ۱: ۲۳۸۔ ان راویوں کا شیوہ امانت فی النقل کے خلاف ہے کہ اس ہستی (علی علیہ السلام) کا نام لینا گوارا نہیں کرتے جس نے قرآن کو ضائع ہونے سے بچایا ہے۔

[2] ۲۵ فرقان: ۵ [3] ۹۸ بینہ: ۲ [4] ۸۰ عبس: ۱۱ تا ۱۴ [5] ۵۲ طور ۱ تا ۳

Marfat.com

دیتا۔ اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی ہوتی تو حضور(ص) اصلاح فرما دیتے۔[1]

حضرت عمرؓ نے اپنی بہن کے گھر میں دو صحیفے پائے، جن پر قرآن لکھا ہوا تھا۔ ان صحیفوں کو کسی سے پڑھوایا اور انہیں سن کر اسلام قبول کیا۔

۴۔ شیوۂ رسولؐ: رسول کریم (ص) اپنے ہمراہ ایسے کاتبین رکھتے تھے جو معاہدوں اور قرض وغیرہ کو ضبط تحریر میں لایا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ ان کاتبوں کو حکم دیا گیا کہ صلح حدیبیہ سے قبل اسلام قبول کرنے والوں کے اسماء کا اندراج کر کے ایک فہرست مرتب کی جائے تو حضرت معاذ نے ایک ہزار پانچ سو افراد کے نام درج کیے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب حضور (ص) قرآن مجید سے کم اہمیت والی چیزوں تک کو ضبط تحریر میں لانے اور محفوظ کرنے کا اہتمام فرماتے تھے تو کیا آپ (ص) نے اس ابدی معجزے کی تدوین و کتابت کا انتظام نہیں فرمایا ہوگا۔

۵۔ عصر رسولؐ کے جامعین قرآن: رسول کریم (ص) اور اصحاب کرام کی زندگی کا مطالعہ کرنے والا شخص بخوبی جان سکتا ہے کہ قرآن مجید عصر رسالت مآب (ص) میں ہی جمع ہو چکا تھا۔ ہم ذیل میں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن پر ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں:

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام: آپ (ع) نے عہد رسالتؐ میں قرآن اپنے سینے میں حفظ کر لیا تھا اور جمع بھی کیا تھا۔ اس کی تفصیل ہم آئندہ بیان کریں گے۔

۲۔ اُبی بن کعب بن قیس: آپ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج سے تھا۔ یہ کاتب و حافظ قرآن تھے۔ ان کا لقب سید القراء اور کنیت ابو المنذر تھی۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

اما نحن فنقرأ علی قراءۃ اُبی۔[2]	ہم ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق قرآن پڑھتے ہیں۔

صحیح بخاری اور الفہرست لابن ندیم میں انہیں عصر رسول (ص) کے

---

[1] مجمع الزوائد [2] اصول الکافی ۲: ۶۳۴ و وسائل الشیعہ ۶: ۱۶۳۔ فَنَقرؤُ کے ساتھ

Marfat.com

جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۳۔ معاذ بن جبل بن اوس: یہ بھی انصار میں سے تھے اور حضور (ص) نے انہیں یمن میں تعلیم قرآن کے لیے روانہ فرمایا تھا۔ صحیح بخاری اور فہرست میں انہیں بھی عہد رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۴۔ زید بن ثابت: ان کا ہم آئندہ بھی ذکر کریں گے۔ یہ کاتب رسول (ص) تھے اور ان کا یہ قول مشہور ہے:

كنا عند رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم نؤلف القرآن من الرقاع[1]	ہم حضور (ص) کی خدمت میں بیٹھ کر مختلف ٹکڑوں سے قرآن جمع کیا کرتے تھے۔

دوسرے مصادر کے علاوہ صحیح بخاری اور الفہرست، الاتقان اور مناہل العرفان میں انہیں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۵۔ عبد اللہ بن عمر: نسائی نے صحیح سند کے ساتھ عبد اللہ بن عمر سے روایت درج کی ہے کہ انہوں نے کہا:

جمعت القرآن فقرأت به كل ليلة، فبلغ النبي صلى الله عليه و آله وسلم فقال: اقرأه في شهر۔[2]	میں نے قرآن جمع کیا اور ہر رات کو ختم کیا کرتا تھا۔ رسول اللہ کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: ایک ماہ میں ختم کیا کرو۔

۶۔ ابو ایوب انصاری: سیوطی نے الاتقان میں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر کیا ہے۔

۷۔ ابو الدرداء: صحیح بخاری اور الفہرست میں انہیں بھی عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۸۔ عبادہ بن صامت: سیوطی نے الاتقان میں انہیں عصر رسالت کے جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

۹۔ ابو زید ثابت بن زید بن النعمان: صحیح بخاری اور

۱۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن ۱: ۱۱۵ ۲۔ حوالہ سابق ۱: ۱۴۴؛ مناہل العرفان ۱: ۲۳۴

Marfat.com

الفہرست میں عہد رسول (ص) کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر ہے۔

۱۰۔ سعد بن عبید انصاری: انہیں الفہرست میں جامعین قرآن شمار کیا گیا ہے۔

۱۱۔ عبید بن معاذ یا عتید بن معاذ جزری: الفہرست میں عصر رسالت (ص) کے جامعین قرآن میں ان کا ذکر ہے۔

۱۲۔ مجمع بن جاریه یا حارثه: الاتقان اور تاریخ القرآن زنجانی میں انہیں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۱۳۔ ام ورقة بنت عبد اللّٰه بن حارث: رسول اللہ (ص) اس خاتون کو شہیدہ کہکر پکارتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں اس خاتون کو ان کے اپنے غلام اور کنیز نے شہید کر دیا۔ سیوطی نے الاتقان میں انہیں جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

۱۴۔ سالم مولی ابی حذیفه: زرکشی نے البرہان میں انہیں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا ہے۔

۱۵۔ عبد اللّٰه بن مسعود: آپ قرآن کے جلیل القدر معلم ہیں۔ عصر رسول (ص) میں ہی آپ نے قرآن جمع کیا تھا۔[1]

۱۶۔عقبة بن عامر: آپ کو البرهان میں عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار کیا گیا ہے۔

۶۔ جبرائیل کا دورۂ قرآن: امامیہ، غیر امامیہ روایات سے ثابت ہے کہ رسالتمآب (ص) ہر سال جبرائیل کے ساتھ قرآن کی بازخوانی فرمایا کرتے تھے۔ چنانچہ جناب فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا فرماتی ہیں:

سمعنا رسول اللّٰه يقول:	ہم نے رسول اللہ (ص) کو فرماتے سنا کہ
جبرئيل كان يعارضنى	جبرئیل ہر سال ایک بار میرے ساتھ قرآن
بالقرآن فى كل سنة مرة	کا دورہ کیا کرتے تھے لیکن اس سال دو
و انه عارضنى به العام	مرتبہ کیا ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہوسکتی

---

[1] البرهان ۱: ۲۳۹

Marfat.com

مرتین ولا اراہ الا و قد   ہے کہ میرا وقت وصال قریب ہے۔
حضر اجلی۔[1]

صحیح بخاری کے باب فضائل القرآن میں دورۂ قرآن کے بارے میں جناب سیدہ فاطمہ زہراء (س) کی یہی روایت اس طرح منقول ہے:

قال مسروق: عن عائشة عن فاطمة علیها السلام[2]: اسرّ الیّ النبی صلی اللّٰہ علیہ (و آلہ) و سلم ان جبرائیل یعارضنی بالقرآن کل سنة و انہ عارضنی العام مرتین لا حضر اجلی۔[3]

مسروق کہتے ہیں: حضرت عائشہ نے جناب فاطمہ (س) سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ (ص) نے مجھ سے سرگوشی کرتے ہوئے فرمایا کہ جبرئیل ہر سال مجھ سے قرآن کا دورہ (باز خوانی) کرتے ہیں مگر اس سال انہوں نے مجھ سے دو بار دورہ کیا ہے۔ اس سے میں سمجھتا ہوں کہ میرا وقت روانگی قریب ہے۔

۷۔ **اصحاب کا عرضۂ قرآن:** اصحاب رسول (ص) میں سے جو حضرات قراءت قرآن میں ممتاز مقام رکھتے تھے، وہ آپ (ص) کی خدمت میں قرآن مجید کا دورہ کیا کرتے تھے اور بازخوانی ہوتی تھی۔ آخری بازخوانی عرضۂ اخیر یا دورہ اخیر کے نام سے مشہور ہے۔

راغب، اُبی بن کعب کا یہ قول نقل کرتا ہے کہ لوگوں نے ان کی قراءت کو اس لیے قبول کیا کہ وہ آخری فرد تھے جنہوں نے رسول اللہ (ص) کی خدمت میں قرآن کی بازخوانی کی۔

ابن عباس کہتے ہیں:

میں رسول خدا (ص) کے آخری کلام اور عمل کو معیار قرار دے کر

---

[1] بحار الانوار ۴۳: ۵۱۔ ارشاد القلوب ۱: ۳۳۔ الامالی للصدوق ص ۵۹۵۔ کنز العمال ج ۱۲ حدیث ۳۴۲۱۴

[2] واضح رہے کہ صحیح بخاری میں اٹھائیس (۲۸) مقامات پر جناب سیدہ کے نام مبارک کے ساتھ "علیہا السلام" درج ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری میں متعدد مقامات پر ائمہ اہل بیت کے اسمائے گرامی کے ساتھ بھی "علیہ السلام" درج ہے۔ لہذا یہ کہنا کہ صرف شیعہ ایسا کرتے ہیں، جہالت پر مبنی ہے۔

[3] صحیح بخاری ۴: ۱۹۱۱۔ باب کان جبرائیل یعرض القرآن۔

Marfat.com

اسے اختیار کرتا ہوں۔

ابن مسعود کے بارے میں بھی مشہور ہے کہ وہ بھی عرضۂ اخیر میں موجود تھے۔ عرضۂ اخیر کا واضح مطلب یہ نکلتا ہے کہ رسول کریم (ص) نے قرآن کو آخری شکل دے کر اسے امت کے حوالے کیا ہے۔

۸۔ ختم قرآن: اصحاب رسول (ص) میں ایسے افراد کا ذکر متعدد مقامات پر ملتا ہے جنہوں نے حضور (ص) کی خدمت میں قرآن ختم کیا۔ وہ خود انفرادی طور پر پورا قرآن ختم کیا کرتے تھے، جس کے لیے حضور (ص) نے مدت کا بھی تعین فرمایا کہ کتنی مدت میں قرآن کا ختم کرنا مناسب ہے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ حضور (ص) نے عبد اللہ بن عمر سے فرمایا کہ ایک ماہ میں قرآن ختم کیا کرو۔

اس کے علاوہ عصر رسول (ص) کے مؤمنین اجتماعی طور پر بھی ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ یعنی قرآن کی سورتوں کو آپس میں تقسیم کرتے اور ہر فرد چند سورے پڑھ لیتا اور یوں ختم قرآن ہو جاتا۔[1]

رسول اللہ (ص) کے حکم پر اصحاب، قرآن کو دس روز یا چھ روز یا کم سے کم پانچ روز میں بھی ختم کیا کرتے تھے۔[2]

اگر قرآن کتابی شکل میں ایک مجموعے کے طور پر لوگوں کے پاس نہ ہوتا تو صرف تلاوت کا ذکر ہو سکتا تھا، ختم قرآن کے الفاظ بے معنی ہوتے۔

رسول اکرم (ص) نے فرمایا:

احب الاعمال الی اللہ الحال المرتحل۔[3]	اللہ کے ہاں سب سے پسندیدہ عمل الحال المرتحل ہے۔

روایت ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام سے بھی ایک بار پوچھا گیا کہ بہترین عمل کیا ہے؟ تو آپ (ع) نے فرمایا: الحال المرتحل۔ اس کی تشریح پوچھی گئی تو فرمایا:

فتح القرآن و ختمه كلما جاء باوله ارتحل فی آخره۔[4]	قرآن کا کھولنا اور ختم کرنا۔ جب بھی قرآن کی ابتدا پر آیا، آخر کی طرف روانہ ہوا۔

---

[1] امیار: تاریخ القرآن [2] حوالہ سابق ۔ بحوالہ ابن سعد
[3] المحجۃ البیضاء ۲: ۲۶۴ [4] اصول الکافی ۲: ۶۰۵

Marfat.com

شیخ طوسیؒ درج ذیل امور کو عدم تحریف قرآن کی دلیل سمجھتے تھے:

۱۔ ختم قرآن مجید کا ثواب۔

۲۔ قرآن کو ایک رات میں ختم کرنے کی ممانعت۔

۳۔ قرآن کو کم از کم تین روز میں ختم کرنے کی ہدایت۔

علامہ طبرسی لکھتے ہیں:

اصحاب کی ایک جماعت مثلاً عبد اللہ بن مسعود، اُبی بن کعب اور دیگر افراد نے رسول اللہ (ص) کی خدمت میں کئی بار قرآن ختم کیا تھا۔[۱]

اس قسم کی متعدد دیگر روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ قرآن عصر رسول (ص) سے ہی کتابی شکل میں مدون تھا، جس کا ایک معین آغاز اور اختتام بھی تھا اور اس کے ختم کرنے کے آداب بھی بیان کیے گئے تھے۔

۹۔ فاتحۃ الکتاب:

- فاتحۃ الکتاب کے معنی ہیں: دیباچۂ کتاب یا افتتاحیۂ کتاب۔
- یہ نام عصر رسول (ص) میں ہی اس سورے کے لیے مخصوص ہو گیا تھا۔
- قرآنی سورتوں کے نام خود رسول اللہ (ص) ہی معین فرمایا کرتے تھے۔

مندرجہ بالا امور سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن عہد رسالت (ص) میں ہی ایک کتابی شکل میں مرتب تھا جس کا ایک افتتاحیہ بھی تھا۔

۱۰۔ لفظ الکتاب کا اطلاق: عہد رسالت (ص) میں قرآن الکتاب کے نام سے موسوم تھا اور خود قرآن مجید میں بھی متعدد مقامات پر اسے الکتاب کہا گیا ہے۔ علاوہ ازیں حدیث شریف میں بھی مجموعۂ قرآن کو الکتاب فرمایا گیا ہے۔ حدیث ثقلین میں، جو شیعہ اور سنی دونوں طرق سے متواتر ثابت ہے، حضور (ص) نے فرمایا:

انی تارك فیکم الثقلین کتاب اللّٰہ و عترتی۔	میں تم میں دو گراں قدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں: ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت۔

---

[۱] طبرسی مجمع البیان ۱: ۱۵

Marfat.com

یہاں کتاب سے مراد یہی مجموعہ ہے جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے۔

نیز حضور (ص) نے اپنی وفات سے کچھ دیر قبل حضرت علی علیہ السلام سے جو کچھ بیان فرمایا اس کے بارے میں ابو رافع بیان کرتے ہیں:

ان النبی صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم قال فی مرضہ الذی توفی فیہ لعلی: یا علی! ھذا کتاب اللّٰہ خذہ الیک۔[1]

رسول اللہ (ص) نے جس مرض میں آپ (ص) کا انتقال ہوا، اس میں علی (ع) سے ارشاد فرمایا: یا علی! یہ اللہ کی کتاب ہے۔ اسے اپنے پاس رکھو۔

یہاں بھی اس مجموعہ قرآن کو "کتاب" کہا گیا ہے۔ اس سے بھی یہ بات واضح ہے کہ قرآن عہد رسالت (ص) میں کتابی شکل میں مرتب ہو چکا تھا۔

۱۱۔ قرآن کا دفعتاً نزول: حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ (ع) نے فرمایا:

> اے مفضل! اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ (ص) کو قرآن ماہ رمضان میں عنایت فرمایا تھا مگر اس کی تبلیغ وقت کی مناسبت پر موقوف تھی۔ رسول کریم (ص) امر و نہی کے مواقع پر قرآن کو بیان فرمایا کرتے تھے۔ جبرائیل صرف اسی مقصد کے لیے نازل ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهِۦ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِۦٓ[2] یعنی قرآن کو جلدی پڑھنے کے لیے اپنی زبان کو حرکت نہ دیجیے۔[3]

ابن عباس بیان کرتے ہیں:

انہ انزل فی رمضان لیلۃ القدر جملۃ واحدۃ ثم انزل علی مواقع النجوم رسلا فی الشہور و الایام۔[4]

قرآن ماہ رمضان میں دفعتاً نازل ہوا ہے اور اس کے بعد مختلف مواقع پر مہینوں اور دنوں میں بتدریج بھی نازل کیا گیا۔

---

[1] التمہید ۱: ۲۲۷ و بحار الانوار ۴۰: ۱۵۵ [2] ۷۵ قیامۃ: ۱۶
[3] بحار الانوار ۸۹: ۳۸ [4] سیوطی اتقان ۱: ۸۳

Marfat.com

ان احادیث سے اس نقطۂ نظر کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن عصر رسول اکرم(ص) میں ایک مجموعہ کی شکل میں موجود تھا۔

۱۲۔ تواتر قرآن: اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ یہ قرآن رسول کریم (ص) سے تواتراً نسلاً بعد نسلٍ ہم تک پہنچا ہے۔ تواتر کے لیے ضروری ہے کہ عصر رسول(ص) میں پورا قرآن اصحاب میں سے اتنی تعداد کے پاس موجود ہو جتنی کہ تواتر کے لیے ضروری ہے۔

اس سے اس نظریے کو تقویت ملتی ہے کہ قرآن عصر رسالتمآب(ص) میں جمع ہو چکا تھا۔

۱۳۔ وصیت رسول(ص) القرآنُ خَلفَ فِراشی: رسول کریم (ص) نے حضرت علی علیہ السلام کو یہ وصیت فرمائی تھی کہ قرآن میرے بستر کے عقب میں ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس سلسلے میں مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم لعلی علیہ السلام: یا علی! القرآن خلف فراشی فی المصحف و الحریر و القراطیس فخذوہ و اجمعوہ و لا تضیعوہ۔[1]	رسول اللہ (ص) نے حضرت علی علیہ السلام سے ارشاد فرمایا: اے علی! قرآن میرے بستر کے پیچھے مختلف صحیفوں، ریشمی کپڑوں اور کاغذوں پر موجود ہے۔ آپ اسے لے جائیں اور جمع کریں اور ضائع نہ ہونے دیں۔

۱۴۔ اصناف سورہ ہائے قرآن: تفسیر عیاشی میں سعد الاسکاف سے مروی ہے:

سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و آلہ و سلم: اعطیت الطوال مکان التوراۃ و اعطیت المئین	میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو یہ فرماتے سنا کہ رسول اللہ (ص) نے فرمایا: مجھے توریت کی جگہ طوال، انجیل کی جگہ مئین سورتیں اور زبور کی جگہ مثانی عنایت

---

[1] بحار الانوار ۸۹: ۴۸

Marfat.com

مکان الانجیل، و اعطیت المثانی مکان الزبور، و فضلت بالمفصل سبع و ستین سورۃ۔[2]

عنایت کی گئی ہیں اور مزید مجھے سورہ ہائے مفصل[1] جو کہ ستاسٹھ سورتیں ہیں، عطا کر کے فضیلت دی گئی۔

یہی روایت معمولی فرق کے ساتھ اہل سنت کے ہاں بھی منقول ہے۔

اس روایت سے واضح ہوتا ہے کہ عصر رسول (ص) میں قرآن ایک کتابی شکل میں لوگوں کے ہاتھوں میں موجود تھا جس کے ابواب و فصول یعنی سورتوں کی تفصیل بھی لوگوں کو معلوم تھی۔

۱۵۔ ترتیب آیات کا توقیفی ہونا: یہ بات ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ آیات قرآن کی ترتیب توقیفی ہے۔ یعنی خود رسول اکرم (ص) نے بحکم الٰہی آیات قرآن کو اسی موجودہ ترتیب کے مطابق رکھا ہے اور اسی ترتیب سے آیات کو مرتب کرنے کا نام جمع قرآن ہے اور یہی ترتیب تواتر کے ساتھ ہم تک پہنچی ہے۔

انصاف یہ ہے کہ صرف آیات قرآن کی ترتیب توقیفی ہونے سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ قرآن عصر رسول (ص) ہی میں مدوّن ہو چکا تھا۔ کیونکہ آیات قرآن کو ترتیب دینا ہی جمع و تدوین قرآن ہے نیز اس کا کوئی مدعی نہیں ہو سکتا کہ آیات قرآن کی ترتیب اجتہادی ہے، موجودہ ترتیب کے علاوہ کسی اور ترتیب سے قرآن کی تلاوت ہو سکتی ہے اور نظم آیات کی موجودہ حیثیت ضروری نہیں ہے۔

۱۶۔ عصر رسالت میں قرآنی نسخے: فضائل قرآن، تلاوت قرآن، آداب تلاوت قرآن، احکام مصحف اور دیگر قرآنی موضوعات کے بارے میں وارد شدہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن عصر رسالتؐ میں کتابی شکل میں مدون اور ہر شخص کی دسترس میں تھا۔

الف۔ حضور (ص) نے فرمایا:

تعلموا الکتاب و تعاھدوہ و اقتنوہ۔[3]

کتاب اللہ کی تعلیم حاصل کرو، اس کے ساتھ عہد باندھو اور اسے اپنے پاس محفوظ رکھو۔

---

[1] طوال پہلی سات طویل سورتوں کو کہتے ہیں۔ مئین سو یا زائد آیات والی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔ مثانی وہ سورتیں ہیں جو سو سے کم آیات والی ہوں۔ جب کہ مفصل آخر قرآن کی سورتوں کو کہا جاتا ہے۔

[2] تفسیر عیاشی ۱: ۲۵

[3] اعلام الدین ص ۱۰۰ ۔ اس میں اقتنوا کی جگہ افشو ہے۔

Marfat.com

ب۔ حفظ کرنے کی نسبت قرآن مجید کو دیکھ کر تلاوت کرنے میں زیادہ ثواب ہے۔ اس سلسلے میں امامیہ، غیر امامیہ کی کتب میں بے شمار احادیث موجود ہیں۔

ج۔ خود قرآن کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ حدیث میں آیا ہے:

النظر فی المصحف عبادۃ۔[1] مصحف میں دیکھنا عبادت ہے۔

د۔ رسالتمآب (ص) نے مشرکین کے علاقوں میں قرآن مجید ہمراہ لے جانے سے منع فرمایا۔

ان کے علاوہ بیسیوں ایسی احادیث اور احکام موجود ہیں جو عصر رسالت (ص) میں قرآن کے کتابی شکل میں موجود ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

جمع قرآن بعد از رسول (ص): رسالتمآب (ص) کی رحلت کے بعد عصر ابی بکرؓ میں جو جمع قرآن مشہور ہے، اس کے بارے میں ہم ارباب نظر اور صاحبان تحقیق کی خدمت میں چند حقائق پیش کرتے ہیں۔ صرف یقینی دلائل نے ہمیں ان حقائق کو پیش کرنے پر مجبور کیا ہے۔ امید ہے کہ تحقیقی ذوق اور مایۂ علمی رکھنے والے حضرات اس کی قدر کریں گے اور مذہبی تنگ نظری کی بنیاد پر ان حقائق کو مسترد نہیں کریں گے۔

سب سے پہلے ہم وہ مشہور قصہ بیان کرتے ہیں جس کا تذکرہ اس سلسلے میں کیا جاتا ہے:

کہا جاتا ہے کہ جنگ یمامہ میں متعدد قاریان قرآن کی شہادت کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا:

اے ابوبکرؓ! اس جنگ میں بہت سے قاریان قرآن شہید ہو گئے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ اگر دیگر جنگوں میں بھی یہی ہوتا رہا تو قرآن کا ایک معتد بہ حصہ ضائع ہو جائے گا۔[2]

چنانچہ حضرت عمرؓ نے ایک بار نہیں بلکہ کئی بار تاکید کی کہ ہمیں قرآن کو جمع کرنا چاہیے۔

خود حضرت ابوبکرؓ کہتے ہیں:

فلم یزل عمر یراجعنی۔[3] حضرت عمرؓ بار بار مجھ سے کہتے رہے۔

---

[1] مستدرک الوسائل ۹: ۱۵۳ (۲و۳) بحار الانوار ۸۹: ۷۵

Marfat.com

حضرت عمرؓ کے اصرار پر حضرت ابو بکرؓ نے زید بن ثابت انصاری کو بلایا اور ان سے کہا:

انك رجل شابٌ عاقل لانتهمك قد كنت تكتب الوحی لرسول الله فتتبع القرآن فاجمعه۔[1]	**تم عقلمند اور قابل بھروسہ جوان ہو اور تم رسول اللہ (ص) کے لیے وحی لکھا کرتے تھے۔ جاؤ قرآن کی جستجو کرو اور اسے جمع کرو۔**

زید نے ایک سوال اٹھایا اور حضرت ابو بکرؓ سے کہا:

کیف تفعلان شیئاً لم یفعله رسول اللّٰہ۔[2]	**آپ وہ کام کیسے کریں گے جسے رسول اللہ (ص) نے انجام نہیں دیا ہے۔[3]**

آخرکار زید نے اس امر کی سنگینی کے اظہار کے ساتھ اس ذمہ داری کو قبول کیا۔ ایک پچیس رکنی کمیٹی تشکیل دی اور اعلان کیا کہ جس نے بھی رسول اللہ (ص) سے قرآن کا کچھ حصہ اخذ کیا ہو، وہ ہمارے پاس جمع کرائے اور جب تک اس کے قرآن ہونے پر دو گواہ پیش نہ ہوتے، وہ اسے قرآن کے طور پر قبول نہ کرتے، سوائے خزیمہ بن ثابت انصاری کے کہ ان کی پیش کردہ آیتوں کو بلا گواہ قبول کرتے تھے، کیونکہ رسول اللہ (ص) نے ان کی ایک گواہی کو دو گواہوں کا مرتبہ دیا تھا۔

اسی اثنا میں حضرت عمرؓ یہ عبارت لے کر آئے:

الشیخ و الشیخة اذا زنیا فارجموها البتة نکالاً من اللّٰہ

زید نے حضرت عمرؓ کی پیش کردہ عبارت کو قرآن کے طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، کیونکہ حضرت عمر کے پاس مطلوبہ گواہ موجود نہ تھے۔[4]

---

[1] و [2] بحار الانوار ۸۹ : ۷۵

[3] مستشرقین مثلاً نولد کے (Noldeke) وغیرہ اسی لیے یہ نظریہ قائم کرتے ہیں کہ رسول اللہ (ص) کے زمانے میں قرآن جمع نہیں ہوا تھا اور آپ قوم کو کوئی شے کتابی شکل میں نہیں دے کر گئے تھے۔ کیونکہ اگر قرآن رسول (ص) کے زمانے میں جمع شدہ اور کتابی شکل میں ہوتا تو ضیاع قرآن کا کوئی خطرہ لاحق نہیں ہونا چاہیے تھا۔

[4] سیوطی۔ الاتقان فی علوم القرآن ۱ : ۱۱۸

Marfat.com

اسی طرح زید بن ثابت نے جمع قرآن کا عمل مکمل کیا اور اس نسخے کو ایک صندوق میں یا بالفاظ روایت ایک ربعہ میں محفوظ کر لیا۔

چند حقائق: مذکورہ بالا واقعہ جمع قرآن سے متعلقہ غیر امامیہ کتب میں بکثرت پایا جاتا ہے اور اسے ایک مسلمہ حقیقت خیال کیا جاتا ہے۔ لیکن اس واقعے کے بارے میں چند حقائق کا ذکر ناگزیر ہے۔

ا۔ تواتر قرآن اور دو گواہ: اس بات پر پوری امت کا اجماع ہے کہ قرآن تواتر سے ثابت ہے اور اگر تواتر سے ثابت نہیں تو قرآن نہیں۔

زید نے دو گواہوں کی بنیاد پر قرآن جمع کیا اور حد یہ ہے کہ بعض آیت کے لیے دو گواہ بھی نہ تھے۔ چنانچہ صرف ایک گواہ کی بنیاد پر ہی بطور قرآن قبول کر لیا۔

دوسری بات جو اس سے لازم آتی ہے وہ ہے تحریف قرآن۔ کیونکہ یہاں بہت سی آیات ہیں جو دو سے زیادہ گواہوں سے ثابت ہیں، لیکن موجودہ قرآن میں ان آیات کا وجود نہیں ہے۔ مثلاً آیہ رجم، سورہ الحفد اور سورہ الخلع وغیرہ۔ پس ان کا شامل نہ کرنا جب کہ یہ بھی دو سے زائد گواہوں سے ثابت ہیں، مذکورہ اسلوب کی رو سے تحریف قرآن ہے، جس کی تفصیل ہم تحریف کے موضوع میں بیان کریں گے۔

۲۔ زید بن ثابت: حضرت ابوبکرؓ نے اس تاریخی اور نہایت اہمیت کے حامل کام کی انجام دہی کے لیے حضرت زید کو ہی کیوں منتخب کیا؟ زمانہ رسول (ص) میں جن افراد کو حفظ اور قراءت قرآن میں ایک ممتاز مقام حاصل تھا اور بقول صاحب صحیح بخاری، جن شخصیات کی طرف تعلیم قرآن کے لیے رجوع کرنے کا حکم دیا گیا تھا، وہ عبد اللہ بن مسعود، اُبی بن کعب، معاذ بن جبل اور سالم ہیں۔ ان میں زید کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ابن مسعود کا مقام سب پر واضح تھا۔ اُبی بن کعب کو سید القراء کہتے تھے۔ معاذ بن جبل کو امام العلماء کا لقب ملا تھا۔ حضرت زید گو کتابت وحی میں شہرت رکھتے تھے، مگر حفظ و قراءت میں ان کا کوئی مقام نہ تھا۔

ابو وائل کہتے ہیں کہ ابن مسعود نے ہمارے سامنے ایک خطبہ دیا جس میں انہوں نے کہا:

Marfat.com

کیا تم مجھے زید بن ثابت کی قراءت کی پیروی کرنے کو کہتے ہو جب کہ میں نے خود رسول اللہ (ص) کی زبان سے ستر سورتوں سے زائد اخذ کی ہیں۔ اس وقت زید بچوں کے ساتھ پھرتا تھا اور اس کے سر پر دو چوٹیاں ہوتی تھیں۔[1]

البتہ زید میں ایک سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ ہیئت حاکمہ کو ان پر اعتماد تھا۔ چنانچہ اس کا اظہار خود حضرت ابو بکرؓ نے بھی کیا کہ لانتھمک ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے۔ اس اعتماد کی وجہ یہ تھی کہ زید بن ثابت، انصار کا ایک فرد ہونے کے باوجود سقیفہ میں مہاجرین کے مؤقف کا حامی تھا۔ چنانچہ انہوں نے بروز سقیفہ اپنا سیاسی مؤقف ان الفاظ میں بیان کیا:

ان رسول اللّٰہ کان من المهاجرين و كنّا انصاره و انما يكون الامام من المهاجرين ونحن انصاره.[2]	خود رسول اللہ (ص) مہاجرین میں سے تھے اور ہم ان کے انصار تھے اور آج امام بھی مہاجرین میں سے ہوگا اور ہم ان کے انصار ہوں گے۔

شاید اسی سیاسی مؤقف کا اثر تھا کہ یہ نہایت ثروت مند ہو گئے اور اپنے پیچھے دیگر مال و دولت کے علاوہ ایک لاکھ دینار مالیت کا سونا اور چاندی بھی چھوڑا، جو کلہاڑے سے کاٹ کر تقسیم کیا گیا۔[3]

۳۔ دیگر قرآنی نسخے: سب سے اہم اور قابل توجہ بات یہ ہے کہ ضیاع قرآن کا کوئی خطرہ سرے سے موجود ہی نہ تھا، کیونکہ اس وقت قرآن کے متعدد قابل توجہ نسخے امت کے ہاتھوں میں موجود تھے۔

چنانچہ ابن اثیر کہتے ہیں:

دمشق میں اُبی بن کعب کا مصحف، حمص میں مقداد کا مصحف،

- کوفہ میں ابن مسعود کا مصحف اور بصرہ میں ابو موسیٰ کا مصحف موجود تھا۔ کچھ لوگوں نے تو اپنے اپنے قرآنی نسخوں

---

[1] سنن نسائی ۳: ۴۳۱۔ المصاحف ص ۱۵
[2] ابن عساکر۔ تھذیب ۵: ۴۴۶
[3] مسعودی مروج الذهب

Marfat.com

کے نام بھی تجویز کیے ہوئے تھے۔ چنانچہ ابن مسعود کے مصحف کو دیباج القرآن اور ابو موسیٰ کے مصحف کو لباب القلوب کہا جاتا تھا۔[1]

ذیل میں ہم ان قرآنی نسخوں (مصاحف) کا تذکرہ کرتے ہیں جو حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں موجود تھے۔

۱۔ **مصحف علی** علیہ السلام: حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

و لقد كنت اتبعه اتباع الفصيل اثر امه، يرفع لي في كل يوم من اخلاقه علما و يأمرني بالاقتداء به، ولقد كان يجاور في كل سنة بحراء فأراه ولا يراه غيري، و لم يجمع بيت واحد يومئذ في الاسلام غير رسول الله و خديجة و انا ثالثهما، ارى نور الوحي و الرسالة، و اشم ريح النبوة، و لقد سمعت رنة الشيطان حين نزل الوحي عليه (ص) فقلت: يا رسول الله ماهذه الرنة؟ فقال: هذا الشيطان قد أيس من عبادته، انك تسمع ما

اور میں آپ (ص) کے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند فرماتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال کچھ عرصے کے لیے (غار) حرا میں قیام فرماتے تھے۔ وہاں آپ (ص) کو میرے علاوہ کوئی نہیں دیکھتا تھا اس وقت رسول اللہ (ص) اور (ام المومنین) خدیجہ (س) کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا اور میں ان میں کا تیسرا تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ (ص) پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی، جس پر میں نے آپ (ص) سے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ص) یہ آواز کیسی ہے؟ تو آپ (ص) نے بتایا: یہ شیطان ہے جو

---

[1] مسعودی مروج الذهب

Marfat.com

اسمع و تری ما أری الا انك لست بنبی و لکنك وزیرٌ و انك لعلی خیر۔ [1]

اب اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علی) جو میں سنتا ہوں وہ تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں وہ تم بھی دیکھتے ہو، فرق بس اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو، بلکہ میرے وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔

جبیر بن مطعم کہتے ہیں:

قال ابی مطعم بن عدی لنا و نحن صبیان بمکة: الا ترون حب ھذا الغلام یعنی علیاً۔ لمحمد و اتباعه له دون ابیه۔ [2]

مکہ میں ہمارے بچپنے کی بات ہے کہ ہمارے والد نے ہم سے کہا: اس بچے (علی) کو دیکھو، اسے محمد (ص) سے کتنی محبت ہے کہ اپنے باپ کو چھوڑ کر ان کی کیسی اتباع کرتا ہے۔

سلیمان بن اعمش راوی ہے:

قال علی: ما نزلت آیة الا و انا علمت فیمن نزلت و این نزلت و علی من نزلت، ان ربی وھب لی قلبا عقولا و لسانا طلقاً. [3]

حضرت علی (ع) نے فرمایا: کوئی آیت ایسی نہیں اتری مگر یہ کہ مجھے علم ہے کہ کس سلسلے میں اتری اور کہاں اتری اور کس کے بارے میں اتری. یقیناً میرے رب نے مجھے ایک عقلمند دل اور فصیح زبان عنایت فرمائی ہے۔

نیز آپ (ع) نے یہ بھی فرمایا:

سلونی عن کتاب اللّٰه فانه لیس من آیة الا و قد عرفت بلیل نزلت ام بنھار أو فی سھل أو فی جبل۔ [4]

مجھ سے کتاب اللہ کے بارے میں پوچھ لو کیونکہ کوئی آیت ایسی نہیں کہ جسے میں نہ جانتا ہوں کہ رات کو نازل ہوئی ہے یا دن میں اور میدان میں نازل ہوئی یا پہاڑ پر۔

---

[1] نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۰ ص ۵۳۳۔ شرح نہج البلاغۃ ابن ابی الحدید ۱۳: ۱۹۷

[2] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید۔ ۱۳: ۲۰۰ [3] تفسیر العیاشی ۱: ۱۷۔ بحار الانوار ۸۹: ۹۷

[4] تفسیر العیاشی ۲: ۲۸۳

Marfat.com

ابن مسعود کہتے ہیں:

ان القرآن انزل علی سبعة احرف ما منها حرف الا وله ظهر و بطن و ان علی بن ابی طالب عنده علم الظاهر و الباطن۔[1]

قرآن سات حروف (معانی) پر نازل ہوا ہے، ان میں سے کوئی حرف ایسا نہیں جس کے لیے ایک ظاہر اور ایک باطن نہ ہو اور علی (ع) کے پاس ان حروف کے ظاہر اور باطن دونوں کا علم موجود ہے۔

وصیت رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم: حضرت **علی** علیہ السلام ہی وہ واحد شخص ہیں جنہیں رسول اکرم (ص) نے قرآن کے بارے میں وصیت فرمائی۔ اگرچہ قرآن عصر رسالت (ص) ہی میں امت کے حوالے ہو چکا تھا اور پورا قرآن امت کے پاس موجود تھا، لیکن اس کا محمدی نسخہ بیت مصطفیٰ (ص) میں محفوظ تھا۔ اس نسخے کے وارث علی بن ابی طالب علیہ السلام تھے۔ اسی لیے رسالتمآب (ص) نے مرض الموت میں ارشاد فرمایا:

یا علی هذا کتاب الله خذه الیك، فجمعه علی فی ثوب فمضی الی منزله فلما قبض النبی صلی الله علیه و آله و سلم جلس علی فالفه کما انزل الله و کان به عالماً۔[2]

اے علی! یہ کتاب خدا ہے، اسے اپنے پاس لے جاؤ۔ چنانچہ حضرت علی (ع) اسے ایک کپڑے میں جمع کر کے اپنے گھر لے گئے رسول اللہ (ص) کی وفات کے بعد آپ (ع) نے قرآن کو اس طرح مرتب فرمایا جیسے اللہ نے اسے نازل فرمایا تھا اور آپ (ع) ہی اسے بخوبی جانتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

قال رسول الله صلی الله علیه و آله و سلم لعلی علیه السلام: یا علی! القرآن خلف فراشی فی الصحف

رسول اللہ (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا: اے علی! قرآن میرے بستر کے پیچھے صحیفوں، ریشمی پارچوں اور کاغذوں

۱۔ حلیة الاولیاء ابو نعیم الاصفہانی ۱: ۶۵ ۲۔ بحار الانوار ۴۰: ۱۵۵، ۸۹: ۴۸۔ ۵۱۔ التمہید ۱: ۲۲۵

Marfat.com

و الحریر و القراطیس فخذوہ و اجمعوہ و لا تضیعوہ۔[1]

میں موجود ہے، آپ (ع) اسے لے جا کر جمع کر لیں اور ضائع نہ ہونے دیں۔

نسخہ محمدی کی جمع و تدوین: محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ (ص) نے رحلت فرمائی تو علی علیہ السلام نے فرمایا:

آلیتُ ان لا آخذ علَیّ ردائی الا لصلوٰۃ جمعة حتی اجمع القرآن. فجمعه۔[2]

میں نے قسم کھا لی ہے کہ میں نماز جمعہ کے علاوہ اپنی عبا زیب تن نہ کروں گا (گھر سے باہر نہ نکلوں گا) جب تک کہ قرآن کو جمع نہ کر لوں۔ چنانچہ انہوں نے اسے جمع فرما لیا۔

ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

اتفق الکل علی انه اول من جمعه۔[3]

سب کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کو سب سے پہلے علی (ع) نے جمع کیا۔

اور زرقانی کہتے ہیں:

و اذن لا یضرنا فی هذا البحث ان یقال :ان علیا اول من جمع القرآن بعد رسول الله ۔[4]

اور ہمیں اس امر کو تسلیم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ رسول اللہ (ص) کے بعد سب سے پہلے علی (ع) نے قرآن جمع کیا ہے۔

اس نسخہ کی انفرادیت: عکرمہ کہتے ہیں:

لو اجتمعت الانس و الجن علی ان یؤلفوہ ذلك التالیف ما استطاعوا۔[5]

اگر جن و انس جمع ہو کر اس طرح قرآن کی جمع و ترتیب کریں تو وہ نہیں کر سکتے۔

ابن جزی کلبی کہتے ہیں:

لو وجد مصحفه علیه السلام لکان فیه علم کثیر.[6]

اگر مصحف علی علیہ السلام میسر آ جاتا تو ایک علم کثیر ہاتھ آ جاتا۔

---

[1] تفسیر القمی ۲: ۴۵۱۔ بحار الانوار ۸۹: ۴۸

[2] السیوطی۔ الاتقان ۱: ۵۹

[3] ابن ابی الحدید، شرح نہج البلاغہ ۱: ۲۷

[4] مناهل العرفان ۱: ۲۴۷

[5] السیوطی۔ الاتقان ۱: ۵۹

[6] التسهیل لعلوم التنزیل ۱: ۴

Marfat.com

ابن سیرین کہتے ہیں:

لو اصبت ذلک الکتاب کان فیہ علم۔[1]

اگر یہ کتاب میسر آ جاتی تو اس میں سے علم حاصل ہو جاتا۔

شیخ مفید نے کتاب الارشاد میں فرمایا:

ان علیا قدم فی مصحفہ المنسوخ علی الناسخ و کتب فیہ تاویل بعض الآیات و تفسیرھا بالتفصیل۔

حضرت علی (ع) نے اپنے مصحف میں منسوخ کو ناسخ پر مقدم رکھا تھا اور بعض آیات کی تاویل و تفسیر بھی تفصیل سے رقم کی تھی۔

فیض کاشانی نے کتاب الوافی میں لکھا ہے:

حضرت علی (ع) نے قرآن کی تفسیر، شان نزول آیات خود رسول اللہ (ص) کی املا سے لکھی تھیں۔

چنانچہ خود حضرت علی علیہ السلام سے روایت ہے:

و لقد جئتھم بالکتاب مشتملا علی التنزیل و التاویل۔[2]

میں ان کے پاس وہ قرآن لایا تھا جو تنزیل اور تاویل دونوں پر مشتمل تھا۔

ان نصوص سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ نسخہ صرف تنزیل پر منحصر نہ تھا، جیسا کہ باقی مصاحف ہیں۔ یعنی صرف قرآن کی آیات پر ہی مشتمل نہ تھا، بلکہ اس میں کچھ تفسیر و تاویل بھی تھی۔

یہ نسخہ امت کو پیش کیا گیا: حضرت علی علیہ السلام نے قرآن کو زرد ریشم پر تحریر فرمایا اور ایک اونٹ پر لاد کر مسجد نبوی میں موجود اصحاب کے سامنے پیش کیا اور فرمایا:

قال رسول اللہ: انی مخلف فیکم ما ان تمسکتم بھما لن تضلوا ، کتاب اللہ و

رسول اللہ (ص) نے فرمایا تھا کہ میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں، ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری عترت

---

[1] الطبقات الکبری ابو عبد اللہ البصری ۲: ۳۳۸

[2] آلاء الرحمن ۱: ۲۵۷

Marfat.com

عترتی اھل بیتی، و ھذا اہل بیت (ع)۔ لہٰذا یہ ہے کتاب اور الکتاب و انا العترۃ۔[1] میں ہوں عترت۔

جواب ملا: اگر آپ (ع) کے پاس کتاب ہے تو ہمارے پاس بھی کتاب ہے۔ چنانچہ آپ (ع) حجت تمام کر کے واپس تشریف لے گئے۔

کیا یہ ممکن ہے کہ امت کے پاس قرآن کا کوئی نسخہ موجود نہ ہو، اس کے باوجود اصحاب اس نسخہ محمدی کو رد کر دیں؟

اگر قرآن کا کوئی نسخہ امت کے پاس موجود نہ تھا تو اس نسخہ محمدیؐ کو رد کرنا ناقابل فہم ہے اور اگر دیگر قرآنی نسخے موجود تھے تو یہ کہنا کہ قرآن زید بن ثابت نے جمع کیا، ناقابل فہم ہے۔

اگرچہ فی الواقع دونوں صورتوں میں اس نسخہ محمدیؐ کو رد کرنا ایک المیہ ضرور ہے۔ زرقانی کہتے ہیں:

لا ضیر فی ھذا البحث ان یقال: ان علیا اول من جمع القرآن بعد رسول اللہ۔[2]	اس بحث میں اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ رسول اللہ (ص) کے بعد سب سے پہلے علی علیہ السلام نے قرآن جمع کیا ہے۔

کس قدر مقام تعجب ہے کہ جس طرح مستشرقین یہ ثابت کرنے کے لیے کہ قرآن زمانہ رسول (ص) میں جمع نہیں ہوا تھا، لفظ جمع سے جو بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ (ص) کے زمانے میں قرآن جمع ہوا تھا، حفظ مراد لیتے ہیں، یعنی عصر رسول اللہ (ص) میں قرآن حفظ ہوا تھا، جمع نہیں ہوا تھا، بالکل اسی طرح بعض علمائے اسلام حضرت علی علیہ السلام کے جمع قرآن کے بارے میں جو روایات میں لفظ جمع آیا ہے، اسے حفظ کے معنی میں لیتے ہیں۔ یعنی آپ (ع) نے سینے میں حفظ کر لیا تھا۔[3] تاکہ یہ ثابت ہی نہ ہو سکے کہ حضرت علی علیہ السلام نے قرآن جمع کیا تھا اور اسے رد کیا گیا۔ و لیست ھذہ اول قارورۃ کسرت فی اکلام، حالانکہ حضرت علی علیہ السلام نے نسخۂ محمدیؐ کی تدوین کے بعد ایک اونٹ پر لاد کر مسجد نبویؐ میں اسے اصحاب

---

[1] بحار الانوار ۴۰: ۱۵۵ [2] مناھل العرفان ۱: ۲۴۷ [3] ملاحظہ کیجیے مقدمہ تفسیر بیضاوی وغیرہ

Marfat.com

کے سامنے پیش کیا تھا اور اس واقعے کو تمام مؤرخین نے لکھا ہے اور ڈاکٹر آ تھر جفری بھی مانتے ہیں کہ علی (ع) نے قرآن کی تدوین فرمائی تھی۔[1]

یہ نسخہ کہاں ہے؟: پوری ذمہ داری کے ساتھ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اب حضرت علی علیہ السلام کا مصحف کہاں ہے۔ لیکن ایسے کچھ نسخے محفوظ تھے یا ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک سے تحریر کردہ ہیں۔

ابن ندیم نے اپنی مشہور کتاب الفہرست میں لکھا ہے:

> میں نے اپنے زمانے ۳۷۷ھ میں ابو یعلی حمزہ حسنی کے پاس قرآن کا ایک نسخہ دیکھا جس کے کچھ اوراق موجود نہ تھے۔ یہ قرآن حضرت علی ابن ابی طالب کے دست مبارک کا لکھا ہوا تھا اور یہ اولاد حسن میں پشت در پشت میراث میں چلا آ رہا ہے۔

مقریزی کہتے ہیں:

> ۵۱۶ھ میں فاطمی وزیر مامون بطائحی نے ایک قرآن جو حضرت علی علیہ السلام کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، جامع عتیق مصر میں محفوظ کر لیا۔[2]

علاوہ ازیں ترکی میں کتابخانہ ایا صوفیہ میں حضرت علی علیہ السلام کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک قرآن دو جلدوں میں موجود ہے۔

نجف اشرف میں روضۂ امیر المؤمنین علیہ السلام میں ایک نسخۂ قرآن آپ کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود تھا جو بعد میں ضائع ہو گیا۔[3]

جناب زنجانی اپنی کتاب تاریخ القرآن میں لکھتے ہیں:

و رأیت فی شهر ذی الحجة سنة ۱۳۵۳ھ فی دار الکتب العلویة فی النجف الأشرف مصحفاً بالخط الکوفی	۱۳۵۳ھ کے ماہ ذی الحجۃ الحرام میں نجف اشرف کے دارالکتب العلویہ میں خط کوفی میں ایک قرآن میں نے

۱۔ مقدمہ المصاحف ص۵

۲۔ خطوط مقریزی بحوالہ رامیار تاریخ القرآن ص۳۷۴۔

۳۔ بحوالہ سابق

Marfat.com

كتب علي آخره: كتبه علي بن ابي طالب في سنة اربعين من الهجرة، لتشابه ابي و ابو في رسم الخط الكوفي قد يظن من لا خبرة له انه كتب علي بن ابو طالب بالواو.

دیکھا جس کے آخر میں تحریر تھا کہ اسے ۴۰ھ میں علی ابن ابی طالب نے لکھا۔ کوفی رسم الخط میں ابی اور ابو تقریباً ایک جیسے ہی لکھے جاتے ہیں، اس لیے بے خبر لوگ اسے ابوطالب پڑھتے ہیں۔

حضرت علی علیہ السلام کے مصحف کے علاوہ درج ذیل اصحاب کے مصاحف لوگوں کی دسترس میں تھے۔

۲۔ سالم مولیٰ: سالم، ابو حذیفہ کی زوجہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ آپ کا شمار اصحاب صفہ میں ہوتا ہے۔ آپ کا ایک مصحف تھا۔

۳۔ ابو زید قیس بن سکن: مالک بن انس کہتے ہیں کہ انہوں نے رسول خدا (ص) کے زمانے میں ہی قرآن جمع کیا تھا۔

۴۔ معاذ بن جبل: ان کا مصحف شام اور حمص میں شہرت رکھتا تھا۔

۵۔ ام ورقہ بنت عبد اللہ: آپ نے بھی عصر رسول (ص) میں ہی قرآن جمع کر لیا تھا۔

۶۔ سعد بن عبید: یہ عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں شمار ہوتے ہیں۔

۷۔ اُبی بن کعب: ان کا لقب سید القراء اور کنیت ابو المنذر ہے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے ان کا شمار علمائے یہود میں ہوتا تھا اور کتب عہدین پر عبور تھا۔ ان کا مصحف سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے دوسرے مصاحف سے مختلف تھا۔

۸۔ عبد اللہ بن مسعود: یہ چھٹے شخص تھے جنہوں نے اسلام قبول کیا۔ اسی لیے انہیں سادس ستة یعنی چھ میں سے چھٹا کہتے تھے۔ ان کے مصحف کو نہایت شہرت حاصل تھی۔

۹۔ ابو الدرداء: ان کا شمار بھی عصر رسول (ص) کے جامعین قرآن میں ہوتا

Marfat.com

ہے۔

۱۰۔ **مقداد بن اسود:** ان کا قرآن حمص اور شام میں مشہور تھا۔

۱۱۔ **ابو موسیٰ اشعری:** ان کا مصحف بصرہ میں رائج تھا اور یہ خود بصرہ کے حاکم بھی رہ چکے تھے۔ ان کے مصحف کو لباب القلوب کہا جاتا تھا۔

۱۲۔ **حضرت حفصہؓ بنت عمرؓ:** کہتے ہیں کہ حضرت حفصہ لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ انہوں نے بحکم رسول خدا (ص) حضرت شفا بنت عبداللہ عدویہ سے کتابت سیکھی تھی۔ انہوں نے اپنے لیے ایک مصحف تیار کیا تھا۔ یہ اس مصحف سے جدا تھا جسے حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا تھا اور حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد ان کے پاس موجود تھا۔

۱۳۔ **حضرت عائشہؓ بنت ابی بکرؓ:** مشہور روایت ہے کہ [illegible] حضرت عائشہ نے بھی اپنے لیے ایک مصحف تیار کرایا تھا۔ اس میں [illegible] مصاحف سے مختلف تھیں۔

۱۴۔ **حضرت ام سلمہؓ:** آپ بھی لکھنا پڑھنا جانتی تھیں۔ چنانچہ آپ نے خود اپنے لیے ایک مصحف تیار کیا تھا۔

۱۵۔ **زید بن ثابتؓ:** ان کا مصحف اس مصحف سے [illegible] جسے حضرت ابوبکرؓ نے جمع کرایا تھا۔ اس بات کو بڑی شہرت حاصل ہے کہ زید بن ثابت [illegible] حضور آخری دورۂ قرآن میں حاضر تھے۔ لہٰذا ان کا قرآن ہی عرضۂ اخیرہ [illegible] سمجھا جاتا تھا۔

۱۶۔ **مجمع بن جاریہ:** کہتے ہیں کہ ان کا بھی اپنا ایک مصحف تھا۔ انہوں نے عہد رسول (ص) میں پورا قرآن حفظ کر لیا تھا۔ صرف دو سورتیں رہ گئی تھیں جو انہوں نے بعد رسول (ص) حفظ کیں۔

۱۷۔ **عقبہ بن عامر:** ان کا بھی اپنا مصحف تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مصحف چوتھی صدی ہجری تک موجود تھا۔

۱۸۔ **عبداللہ بن عمر:** ان کا شمار بھی زمانہ رسول (ص) میں قرآن جمع کرنے

Marfat.com

والوں میں ہوتا ہے۔

۱۹۔ انس بن مالک: ان کا بھی اپنا ایک مصحف تھا۔

یہ ہیں وہ قرآنی نسخے جو عہد رسول (ص) میں جمع کر لیے گئے تھے۔ ان کی موجودگی میں ضیاع قرآن کا سرے سے کوئی خطرہ نہ تھا۔[1]

اختلاف قراءت اور نسخہ: سوال یہ ہے کہ اگر حضرت ابو بکرؓ نے اپنے زمانے میں قرآن کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے زید بن ثابت سے قرآن جمع کروایا تھا تو یہ نسخہ مسلمانوں کے ہاتھوں میں کیوں نہ تھا؟ کیونکہ بعد میں جب عہدِ عثمانؓ میں قراءت کا اختلاف پیدا ہوا تو اس نسخے کے معاصر دوسرے نسخوں کا ذکر آتا ہے، مگر اس نسخے کا کہیں ذکر تک نہیں ملتا کہ کچھ لوگ اس مصحف کے مطابق بھی قراءت کر رہے ہوں۔ جیسا کہ دمشق میں ابی بن کعب کا مصحف، حمص میں مقداد کا مصحف، کوفہ میں ابن مسعود کا مصحف اور بصرہ میں ابو موسیٰ کا مصحف رائج تھا۔ لیکن اس نسخے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔

یہ نسخہ ربعہ میں: اگر قرآن کو ضیاع سے بچانا ہی مقصود تھا اور لوگوں کے پاس قرآن محفوظ نہ تھا تو زید بن ثابت کے سرکاری نسخے کو عام کرنا چاہیے تھا، جب کہ تاریخ گواہ ہے کہ یہ نسخہ ایک صندوق میں بند رہا۔ بقول روایات ایک ربعہ میں بند کر دیا گیا۔ صرف حضرت عثمانؓ کے دور میں ایک مرتبہ یہ نسخہ ربعہ سے نکالا گیا۔ یہ نسخہ حضرت ابو بکرؓ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس آیا۔ ان کی وفات کے بعد حضرت حفصہؓ کے پاس رہا۔ پھر ان کی وفات کے بعد مروان بن حکم والی مدینہ نے اسے جلا دیا۔[2]

شاید یہ نسخہ تیار کروانے کی اصل وجہ یہ ہو کہ دیگر اصحاب کے علاوہ حضرت علی (ع) کے پاس تو قرآن کا ایک جامع نسخہ موجود تھا، لیکن ہیئت حاکمہ کے پاس کوئی قرآنی نسخہ موجود نہیں تھا۔

اس سرکاری نسخے کے بارے میں مصر کے مشہور مؤلف ڈاکٹر محمد عبد اللہ دراز اپنی کتاب مدخل الی القرآن الکریم ص ۳۸ میں لکھتے ہیں:

ولکن رغم قیمة هذا المصحف اس نسخے کی بہت بڑی قدر و قیمت اور اس

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ قرآن ڈاکٹر رامیار

[2] المصاحف ص ۲۱۔ ڈاکٹر جیفرے مقدمۃ المصاحف ص ۵

Marfat.com

العظيمة و رغم ما يستحقه من العناية التى بذلت فى جمعه فان مجرد بقائه محفوظاً بعناية عند الخليفتين الاولين اسبغ عليه الطابع الفردى او الشخصى بعض الشىء و لم يصبح و ثيقة للبشر كافة۔[1]

کے جمع کرنے پر صرف ہونے والی توجہ قابل قدر ہونے کے باوجود اس نسخے کا صرف دونوں خلفاء کے پاس محفوظ رہنے سے اس پر ذاتی اور شخصی تاثر کسی حد تک قائم رہا اور تمام لوگوں کے لیے ایک دستاویز کی حیثیت حاصل نہ کر سکا۔

ڈاکٹر محمد عبد اللہ کا تبصرہ بالکل درست ہے کہ اس نسخہ کا امت کے ساتھ کوئی ربط نہ رہا اور امت کے پاس اس نسخے کے علاوہ بہت سے نسخہ ہائے قرآن موجود تھے۔

تضادات: حضور (ص) کے بعد قرآن کے بارے میں جو روایات اہل سنت نے اپنی کتب میں بکثرت درج کی ہیں، ان میں اس قدر تضادات موجود ہیں کہ کسی ایک روایت پر بھی اطمینان نہیں کیا جا سکتا۔ ان تضادات سے آگاہی حاصل کرنے کے لیے کتاب البیان فی تفسیر القرآن کا مطالعہ کافی رہے گا، جہاں اس موضوع کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

کہتے ہیں جنگ یمامہ میں چار سو قاریان قرآن شہید ہونے کی وجہ سے ضیاع قرآن کا خطرہ لاحق ہوا۔ تاریخی حقائق کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ یمامہ میں تین ہزار قاریان قرآن شریک تھے۔ ان میں سے صرف چار سو کے شہید ہونے سے قرآن کے ضیاع کا خطرہ کیسے لاحق ہو سکتا ہے؟

عصر ابوبکرؓ میں جمع قرآن: بالفاظ دیگر سرکاری نسخہ تیار کرنے کے واقعے سے مستشرقین کو یہ موقع ملا کہ وہ یہ نظریہ قائم کریں کہ رسول خدا (ص) کی رحلت کے وقت کوئی نسخہ قرآن امت کے ہاتھوں میں موجود نہ تھا، ورنہ حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کو ضیاع قرآن کا خوف لاحق نہ ہوتا۔[2]

ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ ضیاع قرآن کے خوف کا کوئی سبب موجود نہ تھا اور نہ ہی سرکاری نسخے نے قرآن کا تحفظ کیا ہے۔ البتہ اس خوف کی کوئی دوسری وجوہ

---

[1] ڈاکٹر جیفرے مقدمہ المصاحف [2] حوالہ سابق

Marfat.com

ہو سکتی ہیں یا اس قول کی نسبت ان کی جانب درست نہیں کہ کسی خوف کا اظہار ہوا تھا۔

عصر عثمانؓ اور قرآن: حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسلام کرۂ ارض کے ایک وسیع خطے پر پھیل گیا تھا اور غیر عرب قومیں بھی اسلام میں داخل ہوگئی تھیں۔ دوسری طرف قرآن کی مختلف قرائتیں رائج تھیں اور اس وسیع و عریض مملکت کے ہر شہر اور ہر علاقے میں ایک قراءت رائج ہوگئی تھی۔ قراءت مختلف ہونے کا مطلب تلفظ میں اختلاف ہے۔ مثلاً یطْھُرْنَ ایک قراءت ہے، جس کا معنی ہے "پاک ہونا" جب کہ یَطَّھَّرْنَ دوسری قراءت ہے جس کا معنی ہے "پاک کرنا"۔

آرمینیا کی جنگ: ان دنوں حضرت حذیفہ[1] (صاحب سرّ رسول ص) آذربائیجان میں جنگ آرمینیا میں شریک تھے۔ اس جنگ میں شام اور عراق کے سپاہی لڑ رہے تھے۔ شام والے اُبی بن کعب کی قرائت پر قرآن پڑھتے تھے اور عراق والے ابن مسعود کی قرائت کے مطابق قرآن پڑھتے تھے۔ ہر ایک کو دوسرے کی قرائت اجنبی معلوم ہو رہی تھی۔ حتیٰ کہ اہل شام اور اہل عراق ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگے۔

حضرت حذیفہ اس صورت حال سے خاصے پریشان ہو گئے وہ آذربائیجان سے سیدھے کوفہ آئے اور یہاں موجود اصحاب رسول (ص) سے اس مسئلے کے بارے میں مشورہ کیا۔ تمام اصحاب نے اس بات پر اتفاق کیا کہ قرآن کی ایک ہی قرائت پر لوگوں کو مجتمع کیا جائے۔ صرف عبد اللہ بن مسعود نے اختلاف کیا۔[2]

علمائے امت کا فیصلہ: یہ فیصلہ لے کر حضرت حذیفہ مدینہ پہنچے اور گھر جانے سے پہلے حضرت عثمانؓ کے پاس حاضر ہو کر دہائی دی: میں ہی واحد پیغام لانے والا ہوں۔ میں خبردار کرتا ہوں۔ حضرت عثمانؓ نے پوچھا: بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہ نے فرمایا: اے خلیفہ! لوگوں کی فریاد کو پہنچو۔ حضرت عثمانؓ نے پھر پوچھا: کیا واقعہ پیش

---

[1] حضرت حذیفہ بن یمان عراقی الاصل تھے اور سابقین فی الاسلام میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ رسالتمآب (ص) کے رکابدار تھے۔ جب حضور (ص) جنگ تبوک سے واپس تشریف لا رہے تھے تو منافقین کی ایک جماعت تاک میں بیٹھی ہوئی تھی کہ رات کی تاریکی سے فائدہ اٹھا کر رسول (ص) خدا کو شہید کیا جائے، مگر اچانک بجلی چمکنے پر رسول خدا (ص) اور حذیفہ نے ان سب کو دیکھ لیا اور پہچان لیا۔ حضور (ص) نے حضرت حذیفہ سے فرمایا کہ اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا۔ چنانچہ حذیفہ وہ واحد صحابی تھے جو منافقین کو جانتے تھے اسی لیے انہیں صاحب السر کہا جاتا تھا۔

[2] ابن اثیر الکامل ۳: ۵۵

Marfat.com

آیا ہے؟ حضرت حذیفہ نے کہا

لوگوں نے کلام خدا میں اختلاف کرنا شروع کر دیا ہے [illegible]

ہے کہ مسلمانوں کا حشر بھی وہی نہ ہو جو یہود و نصاریٰ کا ہوا ہے۔

ابن اثیر لکھتے ہیں

فجمع عثمان الصحف [illegible] چنانچہ حضرت عثمان نے [illegible]

[illegible] اور انہیں ان کی [illegible]

[illegible] فی مصحف واحد [illegible] نے اس کے [illegible]

[illegible] جمع ما فی الصحیفة [illegible]

[illegible]

کمیٹی کی تشکیل [illegible] جو اس مقصد سے [illegible]

پہلی تشکیل دی گئی حضرت عثمان نے اس [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] مرحلے میں چار افراد پر مشتمل پہلی کمیٹی [illegible]

۱۔ زید بن ثابت [illegible]

۳۔ سعید بن عاص قرشی [illegible]

زید بن ثابت اس کمیٹی کے سربراہ مقرر ہوئے [illegible]

قابلیت کے فقدان کی وجہ سے اس عظیم کام [illegible]

کمیٹی تشکیل دی گئی اور اس میں درج ذیل افراد شامل [illegible]

۱۔ ابی بن کعب ۵۔ کثیر بن افلح

۲۔ عبد اللہ بن عباس ۶۔ [illegible]

۳۔ انس بن مالک [illegible]

۴۔ مالک بن ابی عامر

اس کمیٹی کی سربراہی ابی بن کعب کے سپرد تھی۔

۱۔ ابن اثیر، الکامل ۳: ۵۵ ۲۔ سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن [illegible]

۳۔ تحفۃ الاحوذی شرح جامع الترمذی [illegible] ۲۱۰

Marfat.com

ابو العالیہ کہتے ہیں:

انھم جمعوا القرآن من مصحف ابی بن کعب، فکان رجال یکتبون یملی علیھم ابی بن کعب۔

انہوں نے قرآن کو ابی بن کعب کے مصحف سے جمع کیا۔ چنانچہ ابی بن کعب املا کراتے تھے اور کچھ لوگ لکھتے تھے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے:

اما نحن فَنَقْرَؤُهُ علی قراءة اُبی۔[1]

ہم بھی ابی بن کعب کی قراءت کے مطابق (قرآن) پڑھتے ہیں۔

سرکاری مداخلت: امت قرآن کو ایک ہی قراءت پر متحد کرنے کی تحریک حضرت حذیفہ کی جانب سے چلی اور اصحاب رسول (ص) نے ان سے اتفاق کیا اور ان کی تائید کی۔ حضرت عثمانؓ نے اپنی مرضی کے چار افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی تھی جو کام نہ کر سکی۔ بعد میں اہل افراد سامنے آئے اور انہوں نے اس عظیم کارنامے کو بطور احسن انجام دیا۔ اس طرح وَاِنَّا لَهُ لَحٰفِظُوْنَ[2] کا الٰہی وعدہ پورا ہو گیا۔

ایک حرف کا تغیر: چنانچہ حکومت اس سلسلے میں اس حد تک بے دخل ہو گئی تھی کہ ایک حرف کے تغیر و تبدل پر بھی قادر نہ تھی۔

علباء بن احمد سے روایت ہے:

ان عثمان بن عفان لما اراد ان یکتب المصاحف ارادوا ان یلغوا الواو التی فی براءة وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ فقال لھم ابی: لتلحقنھا اولاضعن سیفی علی عاتقی فالحقوھا۔[4]

حضرت عثمان جب قرآن لکھوا رہے تھے تو سورہ برائت کی آیت وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ... کی واؤ کو حذف کرانا چاہتے تھے مگر اُبی بن کعب[3] نے کہا: یہ واؤ رہے گی ورنہ ہم تلوار اٹھائیں گے چنانچہ اس واؤ کو رہنے دیا۔

بعد میں قرآن مجید کے دیگر نسخوں کو نذر آتش کرنے پر لوگوں نے حضرت

---

[1] وسائل الشیعۃ ۶: ۱۶۳ [2] ۱۵ حجر: ۹

[3] مستشرقین کا یہ اعتراض درست نہیں ہے کہ ابی بن کعب حضرت عمرؓ کے دور میں وفات پا چکے تھے بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کے زمانے تک زندہ تھے اور آرمینیا کی جنگ میں شریک ہوئے تھے۔

[4] سیوطی در المنثور ۳: ۲۱۹

Marfat.com

عثمان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا تو انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے خود کو اس عمل میں دوسروں کا تابع بتایا۔ ملاحظہ ہو ان کا یہ قول

وانما انا في ذلك تابع لهؤلاء۔ [۱]

میں تو اس معاملے میں صرف ان لوگوں کا تابع رہا ہوں۔

حضرت عثمان جامع قرآن نہیں ہیں: حارث محاسبی کہتے ہیں

المشهور عند الناس ان جامع القرآن عثمان وليس كذلك، انما حمل عثمان الناس على القراءة بوجه واحد۔ [۲]

لوگوں میں مشہور ہے کہ عثمان جامع قرآن ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ عثمان نے تو لوگوں کو صرف ایک ہی قراءت اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

قاضی ابوبکر اپنی کتاب الانتصار میں لکھتے ہیں

لم يقصد عثمان قصد ابي بكر في جمع نفس القرآن بين لوحين، وانما قصد جمعهم على القراءات الثابتة المعروفة عن النبي صلى الله عليه وسلم والغاء ما ليس كذلك، واخذهم بمصحف لا تقديم فيه ولا تاخير ولا تاويل۔ [۳]

حضرت عثمان نے حضرت ابوبکر کی طرح قرآن کو جمع کرنے کا ارادہ نہیں کیا تھا بلکہ ان کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگوں کو ان قراءتوں پر مجتمع کیا جائے جو نبی کریم (ص) سے ثابت ہیں اور جو ثابت نہیں، انہیں متروک کیا جائے اور لوگوں کو ایسے قرآن پر مجتمع کیا جائے جس میں نہ تقدیم و تاخیر ہو اور نہ تاویل۔

مولانا حبیب الرحمن صدیقی مقدمہ تفسیر بیضاوی میں فرماتے ہیں

وما يشتهر ان جامعه عثمان فهو على خلاف الواقع لانه انما حمل الناس سنة ۳۵ھ على قراءة واحدة۔

اور یہ جو شہرت ہوئی ہے کہ حضرت عثمان جامع قرآن ہیں، یہ بات غلط و باطل ہے کیونکہ انہوں نے تو ۳۵ ہجری میں لوگوں کو صرف ایک قراءت اختیار کرنے پر آمادہ کیا تھا

۱۔ [illegible] ۲۵۲ ۲۔ [illegible] ۳۔ [illegible]

Marfat.com

حضرت علی علیہ السلام کا مؤقف: علامہ حلی اپنی کتاب تذکرہ میں لکھتے ہیں: حضرت عثمانؓ نے حضرت علی (ع) سے بھی منظوری لی تھی۔

حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان بھی مشہور ہے جو آپ (ع) نے دور عثمانؓ میں لوگوں کو ایک ہی قرآن پر مجتمع کرنے کے عمل کے انجام پانے کے بعد فرمایا:

لا یھاج القرآن بعد الیوم[1] آج کے بعد قرآن کبھی مضطرب نہ ہوگا۔

ایک اور مقام پر آپ (ع) نے فرمایا:

ان القرآن لا یھاج الیوم و لا یحول۔[2] آج قرآن کو قرار آ گیا ہے اور یہ ناقابل تغیر ہوگیا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت میں جب لوگوں کو ایک مصحف پر مجتمع کرنے کی مہم چل رہی تھی تو اس وقت جناب طلحہ نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ آپ (ع) نے رسول اللہ (ص) کی وفات کے بعد جو قرآن جمع کیا تھا، جسے اس قوم نے مسترد کر دیا تھا، کیا آج آپ (ع) اس قرآن کو دوبارہ پیش نہیں کرسکتے؟ آپ (ع) نے اس کا جواب نہ دیا۔ طلحہ نے ہر چند اصرار کیا مگر آپ نے جواب نہ دیا۔ آخر طلحہ نے کہا: اے ابوالحسن (ع) آپ مجھے اس بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ آپ (ع) نے فرمایا:

> اے طلحہ! میں نے جان بوجھ کر جواب نہیں دیا تھا۔ تم خود بتاؤ کہ لوگوں نے جو کچھ لکھا ہے، کیا یہ قرآن نہیں ہے؟ کیا اس میں غیر قرآن بھی ہے؟" طلحہ نے جواب دیا کہ ہاں جو کچھ بھی لکھا گیا ہے یہ سب کا سب ضرور قرآن ہے، تو آپ (ع) نے فرمایا: اگر تم نے اسی قرآن کو لے لیا تو تمہیں آتش جہنم سے نجات مل جائے گی اور جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ طلحہ نے کہا کہ اگر قرآن یہی ہے تو بس کافی ہے۔[3]

موجودہ قرآن: گزشتہ مباحث سے یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ جو قرآن اس وقت امت کے ہاتھوں میں ہے وہ:

۱۔ نہ حضرت علی علیہ السلام کا جمع کردہ قرآن ہے،

۱۔ [illegible] مجمع [illegible] ۹: ۲۱۸ ۲۔ [illegible] ۱: ۲۸۹

۳۔ [illegible] ۲۵ [illegible] بحار [illegible] ۳۱: ۲۲۴

Marfat.com

۲۔ نہ عصر ابی بکرؓ میں جمع شدہ قرآن ہے،

۳۔ نہ حضرت عثمانؓ نے کوئی قرآن جمع کیا تھا،

بلکہ اس وقت ہمارے ہاتھوں میں جو قرآن موجود ہے، وہ عصر رسول (ص) کا تدوین شدہ قرآن ہے جو کہ عصر رسالت (ص) میں ہی امت کے ہاتھوں میں موجود تھا اور عصر رسالت (ص) کے بعد ہی قرآن مختلف نسخوں میں امت کے پاس موجود رہا۔ یہ مختلف نسخے اس طرح ہمارے زمانے میں چند ایک شخصیات کی طرف سے تحریر شدہ نسخے رائج ہیں اسی طرح چند ایک اہم نسخے مختلف علاقوں میں رائج ہو گئے۔ چنانچہ

۱۔ ابی بن کعب کا نسخہ دمشق میں

۲۔ مقداد کا نسخہ حمص میں

۳۔ عبداللہ بن مسعود کا نسخہ کوفہ میں

۴۔ ابو موسیٰ کا نسخہ بصرہ میں رائج تھا۔

ان نسخوں کی قرائتیں کسی قدر مختلف تھیں جو آگے چل کر موجب نزاع بنیں۔ حضرت حذیفہ نے اس کی شکایت کی جس پر حضرت عثمانؓ نے ان تمام نسخوں کو ختم کر کے پوری امت کو ایک قرأت پر مشتمل ایک نسخہ پر متفق کیا جو اس وقت ہمارے ہاتھوں میں ہے۔

Marfat.com

Marfat.com

فہرست

حصہ اول

مسئلہ تحریف قرآن

معنوی تحریف کی تعریف ____ ۳
تحریف کے بارے میں مسلمانوں کا نظریہ ____ ۶
نسخ تلاوت ____ ۸
تحریف، قرآن کی نظر میں ____ ۱۲
تحریف اور سنت ____ ۱۹
نماز میں سورتوں کی اجازت ____ ۲۴
خلفاء پر تحریف کا الزام ____ ۲۵
قائلین تحریف کے شبہات ____ ۳۱
روایاتِ تحریف ____ ۳۹
روایات کا حقیقی مفہوم ____ ۴۲

جمع قرآن

جمع قرآن کے بارے میں نظریات ____ ۵۱
جمع قرآن کی روایات ____ ۵۲
جمع قرآن کی احادیث میں تضادات ____ ۶۲
قرآن کو مصحف کی صورت میں کب جمع کیا گیا؟ ____ ۶۲
حضرت ابوبکر کے زمانے میں جمع قرآن کی ذمہ داری کس نے لی؟ ____ ۶۲
کیا جمع قرآن کا کام زید کے سپرد کیا گیا تھا؟ ____ ۶۳
کیا حضرت عثمانؓ کے زمانے تک ایسی آیات باقی تھیں،
جن کی تدوین نہیں کی گئی؟ ____ ۶۳
جمع قرآن میں حضرت عثمانؓ کا ماخذ و مدرک کیا تھا؟ ____ ۶۳
حضرت ابوبکرؓ سے جمع قرآن کا مطالبہ کس نے کیا؟ ____ ۶۳
قرآن جمع کرکے اس کے نسخے دوسرے شہروں میں کس نے بھیجے؟ ____ ۶۴
دو آیتوں کو سورۂ برأت کے آخر میں کب ملایا گیا؟ ____ ۶۴

Marfat.com

ان دو آیتوں کو کس نے پیش کیا؟ ۶۴
یہ کیسے ثابت ہوا کہ یہ دونوں آیتیں قرآن کا حصہ ہیں؟ ۶۴
قرآن کی کتابت اور املاء کیلئے حضرت عثمانؓ نے کس کا تقرر کیا؟ ۶۴
روایات جمع قرآن میں تضادات ۶۵
احادیث جمع قرآن، کتاب الٰہی سے متعارض ہیں ۶۸
احادیث جمع قرآن حکم عقل کے خلاف ہیں ۶۹
احادیث جمع قرآن خلاف اجماع ہیں ۷۳
احادیث جمع قرآن اور قرآن میں زیادتی ۷۴

حصہ دوم

تحریف قرآن

روایت اور نظریہ ۹۷
نظریہ تجسیم ۸۰
امانت ۸۵
خیانت ۸۶
نظریہ جبر اور تحریف ۸۶
وہ نظریات جن سے
تحریف قرآن لازم آتی ہے ۸۷

روایات تحریف کے بارے میں
مذہب امامیہ کا موقف

۱۔ متحرک اجتہاد ۹۴
۲۔ ناقابل اعتبار روایات ۹۵
۳۔ وحی منزل اور قرآن ۹۵
۴۔ تفسیر ۹۶
۵۔ شان نزول ۹۶
۶۔ تحریف معنوی ۹۷
۷۔ قراءت ۹۸
۸۔ تطبیق ۹۸
۹۔ مخالف قرآن احادیث مسترد ہیں ۹۹
تحریف قرآن ناممکن ہے ۹۹
۱۔ اصول وکلیات ۱۰۰
۲۔ تدریجی نزول ۱۰۲

Marfat.com

جمع قرآن

کتابت اسلام سے پہلے	۱۰۵
کتابت اسلام کے بعد	۱۰۵
وسائل کتابت	۱۰۶
[illegible]	۱۰۷
قرآن میں کتابت قرآن کا ثبوت	۱۰۸
کاتبان وحی	۱۰۸
جمع و تدوین قرآن	۱۰۹
حفظ قرآن	۱۱۰
الف۔ حافظان قرآن کی اہمیت	۱۱۱
تاکید حفظ	۱۱۲
قرآن و حفظ	۱۱۳
حافظان قرآن کا مقام ۱۱۳	
ب۔ سینہ اور قرآن	۱۱۳
ج۔ تعلیم قرآن	۱۱۴
د۔ درس قرآن	۱۱۵
عشق قرآن	۱۱۶
دقیق نظر	۱۱۷
تدوین قرآن	۱۱۸
ترتیب آیات	۱۱۹
ترتیب آیات و ترتیب نزول	۱۲۰
ترتیب سورہ ہائے قرآن	۱۲۱
جمع قرآن در عصر	
رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	۱۲۳
۱۔ فریضہ الٰہی	۱۲۳
۲۔ کاتبان وحی	۱۲۴
۳۔ قرآن سے کتابت قرآن کا ثبوت	۱۲۵
۴۔ شیوہ رسول	۱۲۶
۵۔ عصر رسول کے جامعین قرآن	۱۲۶
۶۔ جبرائیل کا دورہ قرآن	۱۲۸
۷۔ اصحاب کا عرضہ قرآن	۱۲۹
۸۔ ختم قرآن	۱۳۰
۹۔ فاتحۃ الکتاب	۱۳۱

Marfat.com

۱۰۔ لفظ الکتاب کا اطلاق ۱۳۱
۱۱۔ قرآن کا دفعتاً نزول ۱۳۲
۱۲۔ تواتر قرآن ۱۳۳
۱۳۔ وصیتِ رسول (ص) اَلقرآنُ
خَلفَ فِرَاشِی ۱۳۳
۱۴۔ اصناف سورہ ہائے قرآن ۱۳۳
۱۵۔ ترتیب آیات کا توقیفی ہونا ۱۳۴
۱۶۔ عصر رسالت میں قرآنی نسخے ۱۳۴
جمع قرآن بعد از رسول (ص) ۱۳۵
چند حقائق ۱۳۷
۱۔ تواتر قرآن اور دو گواہ ۱۳۷
۲۔ زید بن ثابت ۱۳۷
۳۔ دیگر قرآنی نسخے ۱۳۸
۱۔ مصحف علی علیہ السلام ۱۳۹
وصیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۴۱
نسخہ محمدی کی جمع و تدوین ۱۴۲
اس نسخہ کی انفرادیت ۱۴۲
یہ نسخہ امت کو پیش کیا گیا ۱۴۳
یہ نسخہ کہاں ہے؟ ۱۴۵
اختلاف قراءت اور نسخہ ۱۴۸
یہ نسخہ ربعہ میں ۱۴۸
تضادات ۱۴۹
عصر ابوبکرؓ میں جمع قرآن ۱۴۹
عصر عثمانؓ اور قرآن ۱۵۰
آرمینیا کی جنگ ۱۵۰
علمائے امت کا فیصلہ ۱۵۰
کمیٹی کی تشکیل ۱۵۱
سرکاری مداخلت ۱۵۲
ایک حرف کا تغیر ۱۵۲
حضرت عثمانؓ جامع قرآن نہیں ہیں ۱۵۳
حضرت علی علیہ السلام کا موقف ۱۵۴
موجودہ قرآن ۱۵۴

☆☆☆☆☆

Marfat.com

Marfat.com

5985

AGH UL MOBEEN
ARCH AND PUBLISHING INSTITUTE
URL: http://w... l-balagh.org
E-mail: info@al-balagh.org
PO Box # 469
...mabad, Pakist...

Marfat.com